ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

593 اتوار 28 ذی الحجہ 1434ھ مطابق 3 نومبر 2013ء

اُن کا سوال

کراچی کی بس میں

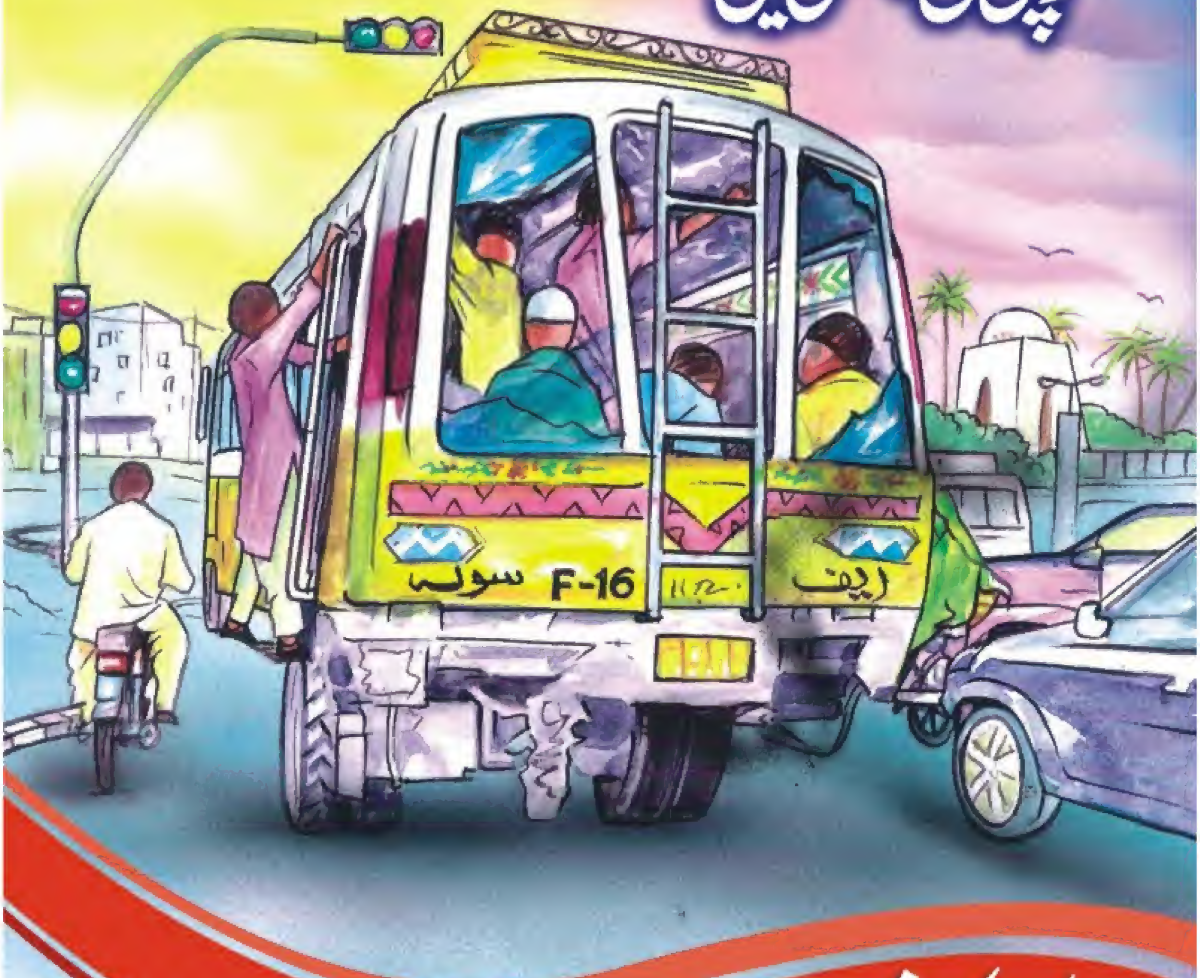

ڈاکٹر ہاشین سے انٹرویو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

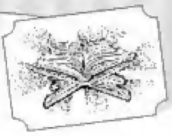

ایمان لانے کے بعد

''جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے (یعنی کفر کرے) وہ نہیں جسے زبردستی (کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو، جب کہ اس کا دل مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا اور ان کے لیے زبردست عذاب تیار ہے۔'' (سورہ نحل: 106)

جو شخص

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے۔ جو شخص خدمت میں ان سے سبقت لے گیا، شہادت کے سوا کسی عمل کے ساتھ وہ اس سے سبقت نہیں لے جائیں گے۔'' (بیہقی)

یعنی سفر میں قوم کا سردار جب ساتھیوں کی خدمت کرے تو اس کے اس عمل سے صرف اور صرف شہادت کا عمل ہی بڑھ سکتا ہے۔ یہ اس قدر بڑا عمل ہے۔

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

یہ دو باتیں سوالیہ دو باتیں ہیں... آپ کہہ اٹھے ہوں گے، یہ کیا بات ہوئی، سوالیہ دو باتیں... جی ہاں! یہ بات یوں ہوئی کہ میں ان دو باتیں میں ایک سوال پوچھ رہا ہوں... آپ کو اس سوال کا جواب دینا ہوگا... سوال بالکل عام ہے... جواب اس سے بھی زیادہ عام سا ہوگا... لیکن معاملہ دلچسپی سے خالی ہرگز نہیں اور جو معاملہ دلچسپی سے خالی نہ ہو وہ معاملہ ضرور پڑھا جاتا ہے... اکتا دینے والی تحریروں کو پڑھنے کا وقت کس کے پاس ہے... یوں ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے تو خیر وقت بہت ہے... جتنا چاہیں، ضائع کروالیں... کوئی مسئلہ نہیں... مطلب یہ کہ ہم بے کار تو وقت ضائع کر سکتے ہیں، بور تحریریں ہرگز نہیں پڑھ سکتے... کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں...

لیکن یہ وہ سوال ہرگز نہیں جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں... وہ تو آگے کہیں جا کر آئے گا بے چارہ... یہ بھی ہو سکتا ہے... بالکل آخر میں آئے... اور آپ کو برے برے منہ بنانے کا بہت کم وقت ملے... کیونکہ دو باتیں ختم ہونے کے بعد آپ کو منہ بنانے کا وقت کہاں سے ملے گا بھلا...

بات کہیں دور نہ نکل جائے، کیونکہ ان باتوں میں یہی بات بری ہے کہ بات بے بات دور بہت دور نکل جاتی ہیں اور پھر لگے ہاتھوں کیا رنگے ہاتھوں بھی ہاتھ نہیں آتی... اس لیے میں اصل بات کی طرف آتا ہوں... بچوں کا اسلام میں شائع ہونے والی ہر چیز کے بارے میں آپ لوگ تبصرے کرتے رہتے ہیں... لیکن ایک چیز ایسی ہے جس پر تبصرہ نہیں کیا جاتا... غالباً آج تک کسی قاری نے بھی اس پر تبصرہ نہیں کیا... جب کہ میں سمجھتا ہوں... اس پر تبصرہ ضرور کیا جانا چاہیے... کیونکہ اس چیز میں بہت خاص بات ہوتی ہے... تو ذرا آواز دیجیے اپنے دماغ کو... کہ بچوں کا اسلام کی وہ کون سی چیز ہے یا وہ کون سا سلسلہ ہے... جس پر تبصرہ کیا ہی نہیں جاتا... دس سال میں شاید کسی ایک آدھ پڑھنے والے نے اپنے خط میں اس کا ذکر کر دیا ہو تو کر دیا ہو... لیکن بہرحال مجھے یاد نہیں پڑتا...

آپ کو ڈال دیا نا امتحان میں... میں بھی چاہوں گا... آپ اپنے خیالات کے گھوڑے خوب دوڑائیں اور جب دوڑا دوڑا کر تھک جائیں تو جو بات بھی ذہن میں آئے... وہ ذرا مجھے بھی لکھ دیں کہ بچوں کا اسلام کے اس سلسلے کے بارے میں قارئین کبھی کچھ نہیں لکھتے... پھر میں دو باتیں ہی میں ذکر کروں گا کہ وہ کیا چیز تھی اور کس نے سوال کا جواب درست دیا ہے... یہ تو تھیں سوالیہ دو باتیں... آخر میں آپ کو پھر یاد دلاتا چلوں کے 600 واں شمارہ خاص شمارہ ہوگا... کیونکہ ہر سو شمارے کے بعد خاص نمبر شائع کیا جاتا ہے... میں اس وقت خاص طور پر لکھنے والوں سے مخاطب ہوں... جن مہربانوں نے خاص شمارے کے لیے کہانیاں اور مضامین ارسال کر دیے ہیں... ان کا تو میں شکر گزار ہوں ہی... اور جنھوں نے ابھی تک اپنی کوئی چیز روانہ نہیں کی... وہ ان دو باتیں کو پڑھ کر فوری طور پر حرکت میں آجائیں... اس لیے کہ حرکت میں برکت ہے... اور بے برکتی کے اس دور میں اگر برکت حاصل ہو جائے تو اسے ہم چپڑی اور دو دو کہتے ہیں... اس سے پہلے کہ موجودہ دو باتیں کچھ زیادہ ہی بے ڈھب، بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ محسوس ہونے لگیں... میں ہی کچھ محسوس کر لیتا ہوں...

والسلام

[illegible]

سالانہ زرِ تعاون اندرون ملک: 600 روپے، بیرون ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

اگرچہ وہ ایک

محمد عثمان حبیب ۔ کہروڑپکا

بچپن کی پیاری یادیں میری زندگی کے لمحات کو پیارا کردیتی ہیں اور میں مسکرانے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ آج مجھے کچھ یادوں نے گھیرا تو میں قلم، کاغذ اٹھا کر بیٹھ گیا۔ سوچ رہا ہوں کہ ان یادوں کو عبارت میں کیسے ڈھالوں جو مجھے ہنسائے دے رہی ہیں اور میرے لبوں پر تبسم بکھیر رہی ہیں۔

ایک مرتبہ عیدالفطر کے موقعے پر ہم نانی اماں کے گھر گئے۔ نانی اماں نے ایک بلی پال رکھی تھی۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کا یہ معمول ہے۔ جب ہم نے نانی اماں کے گھر بلی کو چار بچوں کے ساتھ ”میاؤں، میاؤں“ کرتے دیکھا، تو ہم ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے پڑ گئے۔ پورا دن ہم نے انھیں خوب نچایا۔ شام کو ہم ماما کے سامنے ضد کر رہے تھے۔

”ماما جانی! ہم ایک بچہ اپنے گھر لے جائیں گے، ہم اسے پالیں گے۔“

”نہیں بیٹا! بلی کو تکلیف ہوگی۔ جب وہ اپنے بچے کو غائب پائے گی۔ دوسرے یہ کہ تم اس بچے کا خیال نہیں رکھ سکو گے۔“ امی جان بات سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر ہم نے بھی اپنی ضد منوانے کی ٹھان لی۔ آخر سب کو ہمارے شور شرابے کے سامنے ہار ماننا پڑی۔ طے یہ ہوا کہ جب بلی موجود نہ ہو، بچے کو گٹو میں ڈال کر غائب کر دیا جائے۔ سو اسی طرح کیا گیا۔ جب ہم گھر پہنچے تو دیگر سامان کے ساتھ ایک گٹو بھی تھا۔ اس میں بچہ ”میاؤں، میاؤں“ کر رہا تھا۔ پیچھے بلی کا کیا حشر ہوا، ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ بس ہمارے سامنے وہ بچہ تھا۔ ہم نے اس کی خوب آؤ بھگت کرنا شروع کر دی۔ اس کے لیے روزانہ کا دودھ بندھوایا اور گوشت کے ساتھ بھی اس کا خوب اکرام ہوتا۔ اپنی ماں کو گویا وہ بھول گیا اور وہ ہماری دلچسپیوں کا مرکز بن گیا۔

کچھ عرصہ بعد وہ بچہ ایک خوب صورت اور موٹی تازی ”بلی“ بن گیا۔ ابھی تک ہماری دلچسپی اس کے ساتھ کم نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن ہم باہر صحن میں چارپائی پر تشریف فرما تھے کہ چچا کے بیٹے روتے ہوئے آئے۔ ہم ان کی طرف متوجہ ہو گئے:

”کیا ہوا؟ کیوں رو رہے ہو؟“ ہم نے انھیں قریب کر کے کہا۔

”وہ نا! وہ نا اُوں آ... اُوں آ۔“ وہ مزید رونے لگے۔ ہم پریشان ہو گئے۔

”کیا ہو گیا... بتاؤ تو سہی؟“

”وہ نا... تمھاری بلی ہمارے چوزے کھا گئی... دو ہی تھے... دونوں ہڑپ کر گئی۔“ انھوں نے ایک سانس میں اپنا نالۂ غم سنا دیا۔ یہ سن کر ہمیں بلی پر بہت غصہ آیا... ہم نے بہت مشکل سے بچوں کو ٹالا... بچوں کے جانے کے بعد ہم نے بلی کی تلاش شروع کر دی... بلی صاحبہ دو چوزے کھا کر مزے سے ہال میں سوئی ہوئی تھیں... یہ دیکھ کر ہم تو بھڑک گئے... سب سے پہلے ہم نے اسے جگایا... بلی نے ایک آنکھ کھول کر بے فکری سے ہمیں دیکھا... جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو... ہم نے اسے خوب ڈانٹ پلائی... وہ ہڑبڑا کر اٹھی... ڈانٹ کے ساتھ ساتھ ہم نے ایک تھپڑ بھی رسید کر دیا... وہ سر جھکا کر ”میاؤں میاؤں“ کرنے لگی... جیسے کہہ رہی ہو: ”معاف کر دو... آیندہ ایسی حرکت نہیں کروں گی۔“ ہم نے بھی اُسے معاف کر دیا۔

ہمیں یقین سا ہو گیا کہ آیندہ ہماری بلی ایسی حرکت نہیں کرے گی... ہم اپنے تئیں بہت مطمئن تھے... ایک دن ہم سوئے ہوئے تھے کہ شور سے ہماری آنکھ کھل گئی... آواز آ رہی تھی:

”اپنی بلی کو سنبھال نہیں سکتے... کمینی ہمارا سارا دودھ ضائع کر کے آگئی... دو کلو دودھ تھا... کچھ پی لیا... باقی برتن کو لات مار کر گرا کر آگئی۔“ ہم نے باہر آ کر دیکھا، تو ہماری پڑوسن برس رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئی:

”یہی بلی لے کر آیا تھا... سارا اسی کا قصور ہے۔“ ہم کھسیانے ہو کر وہاں سے نکلے۔ ہال میں پہنچے تو بلی صاحبہ مزے سے سوئی ہوئی ہیں۔ ہم نے اندازہ کر لیا کہ بلی جب بھی کوئی ہنگامہ کرتی ہے تو یہاں آ کر سو جاتی ہے۔ اس دفعہ بھی ہم نے اُسے خوب دھویا۔ اس کے بعد ہم دیکھتے رہتے تھے جس دن بلی ہال میں سوئی ہوتی تھی، ہم سمجھ جاتے تھے کہ موصوفہ کوئی ڈیوٹی ادا کر کے تشریف لائی ہیں۔

ایک دن موسم بہت ہی اچھا ہو گیا... آسمان کو بادلوں نے گھیر لیا... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی... ہم بھی موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی غلیل باہر لے آئے... صحن میں درخت ہونے کی وجہ سے پرندے آتے رہتے تھے... ہم صحن میں پہنچے تو دیوار پر ایک خوب صورت موٹے تازے پرندے کو بیٹھا دیکھا... ہم نے سوچا کہ ”پہلا شکار گھر میں ہی سہی“ سو ہم نے کانچ کی گولی (بنٹا) غلیل کی ربڑ میں رکھی... شکار کھیلنے میں کافی مہارت تھی... اکثر و بیشتر نشانہ درست لگتا تھا... ہم اوٹ میں ہو کر پرندے کا نشانہ لینے لگے... خوب نشانہ لے کر ہم نے غلیل کے ربڑ کو چھوڑ دیا... جیسے ہی ربڑ چھوٹا... پرندہ اڑ گیا اور کانچ کی گولی کسی بڑی سی چیز کو ”ٹھک“ کے ساتھ لگی... جو اچانک دیوار کے اوپر ظاہر ہوئی تھی اور کانچ کی گولی لگنے سے پیچھے کی طرف چلی گئی تھی... ہم بہت حیران ہوئے... اور تجسس کی لہر ہماری رگوں میں دوڑ گئی... ہم نے جلدی سے صورتِ حال جاننے کے لیے دیوار سے نیچے جھانکا... نیچے کا منظر دیکھ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے... نیچے ہماری بلی تڑپ رہی تھی... جب ہم بلی تک پہنچے... بلی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر چکی تھی... ہم نے صورتِ حال پر غور کیا، تو معلوم ہوا کہ... جب ہم پرندے کا نشانہ لے رہے تھے... اس وقت بلی بھی اس کی گھات لگا کر بیٹھی تھی... ہماری غلیل کا ربڑ چھوڑنے سے ایک سیکنڈ پہلے بلی نے پرندے پر فیصلہ کن چھلانگ لگائی... ادھر سے ہم نے بھی ربڑ چھوڑ دیا... پرندہ تو اڑ گیا... مگر غلیل سے نکلی ہوئی کانچ کی گولی بلی کے سر میں لگی... بلی چکرا کر نیچے گری اور اس کا سر لوہے کے پائپ پر لگا... اس سے بلی تڑپ کر مر گئی... ہم کھڑے اداس نظروں سے بلی کو دیکھ رہے تھے...

ہم آج بھی اسے یاد کرتے ہیں، اگرچہ وہ ایک بلی ہی تو تھی۔

فائدہ

کوڑا کرکٹ کھیلنے سے فائدہ
یوں مشقت جھیلنے سے فائدہ

سیدھے سادے لوگ کھائیں کس طرح
ٹیڑھی روٹی بیلنے سے فائدہ

کام کرنا ہے سلیقے سے کرو
جلدی جلدی پیلنے سے فائدہ

اس طرح تو بھر نہیں سکتی ہے جیب
خالی ٹھیلا ٹھیلنے سے فائدہ

ناز کوئی جب اٹھاتا ہی نہیں
بے سبب یوں پھیلنے سے فائدہ

اثر جونپوری

واقعات صحابہ

عبداللہ فارانی

83

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے اپنا کپڑا پکڑ رکھا تھا۔ اس سے ان کے گھٹنے ننگے ہو رہے تھے اور انھیں اس بات کا خیال نہیں تھا۔ انھیں دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے یہ ساتھی (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کسی سے جھگڑا کرکے آرہے ہیں۔''

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نزدیک آگئے اور انھوں نے آتے ہی عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ بات ہوگئی تھی، جلدی میں میں انھیں نامناسب الفاظ کہہ بیٹھا، لیکن پھر مجھے ندامت ہوئی جس پر میں نے ان سے معافی مانگی، لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ (اب آپ جیسے فرمائیں)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔''

دوسری طرف جلد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ندامت محسوس ہوئی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر پوچھا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر ہیں؟''

گھر والوں نے بتایا:

''نہیں! گھر نہیں ہیں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے۔ انھیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (غصے کی وجہ سے) بدلنے لگا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈر گئے اور انھوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دوبار عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! قصور میرا زیادہ ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو تم سب نے کہا تھا، تم غلط کہتے ہو، لیکن اس وقت ابوبکر نے کہا تھا، آپ ٹھیک کہتے ہیں اور انھوں نے دل و جان سے مجھ سے غم خواری کی۔ پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا، کیا تم میرے لیے میرے اس ساتھی کو چھوڑ نہیں سکتے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد پھر کسی نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔

O

قدم بہ قدم

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کے وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا اور پھر آپ سے فرمایا:

''زندگی میں ہمارے درمیان کبھی کوئی بات بھی ہو جایا کرتی تھی جیسا کہ سوکنوں میں ہو جایا کرتی ہے تو جو کچھ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے اور مجھے بھی۔''

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اللہ آپ کی ایسی ساری باتیں معاف کرے اور ان سے درگزر فرمائے اور ان باتوں کی سزا سے محفوظ فرمائے۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ نے مجھے خوش کیا، اللہ آپ کو خوش فرمائے۔''

اس کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا اور ان سے بھی یہی کہا۔

O

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے گھر آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''اے فاطمہ! یہ حضرت ابوبکر آپ سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں انھیں اجازت دے دوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر اندر آکے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے لگے اور ان سے یوں کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے اپنا گھر بار مال و دولت،

اہل وعیال اور خاندان کو صرف اس لیے چھوڑا تھا، تا کہ اللہ اور اس کے رسول راضی ہو جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے آپ لوگ راضی ہو جائیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر انھیں راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی کے بارے میں فرمایا:

"مجھے اس سے نفرت ہے۔"

کسی شخص نے جا کر اس آدمی سے کہا:

"کیا بات ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تم سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔"

اور بھی کئی لوگوں نے اس سے یہ بات کہی تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

"اے عمر! کیا میں نے (مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے) اسلام میں کوئی شگاف ڈالا ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں۔"

اس نے کہا:

"کیا میں نے کسی انسان سے کوئی زیادتی کی ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں۔"

پھر اس نے کہا:

"کیا میں نے اسلام میں کوئی نئی بات پیدا کی ہے، یعنی کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔" (یعنی کوئی ایسی بات شروع کی ہے جو سنت کے خلاف ہو)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں!"

اب اس نے کہا:

"تب پھر آپ کس وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو سورہ احزاب میں فرماتے ہیں۔

'اور ہم لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو، تکلیف پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں اور آپ نے میرے بارے میں یہ بات کہہ کر مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بالکل معاف نہ کرے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! یہ آدمی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اس نے نہ تو شگاف ڈالا ہے، اور نہ کچھ اور کیا ہے (واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی ہے) اے اللہ میری یہ غلطی معاف فرما۔"

یہ کہہ کر آپ اس سے معافی مانگتے رہے، یہاں تک کہ اس نے معاف کر دیا۔ (جاری ہے)

نواب صاحب

عبدالسلام زرگر۔ شہر سلطان

نام بھی مظفر تھا اور رہتے بھی مظفر نگر میں تھے۔ پورا نام تھا نواب مظفر علی خان۔ مظفر نگر آج کل تو ہندوستان میں ایک ضلع ہے۔ ان بھلے وقتوں میں نواب صاحب کی جاگیر تھی۔ نواب صاحب کو تعمیرات کا شوق تھا۔ اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے اپنے ایک وسیع وعریض باغ کے بیچوں بیچ ایک بنگلہ بنوایا، خرچ بھی خوب کیا اور نگرانی بھی خود کی۔ جب بن کر تیار ہوا تو دیکھنے والوں نے کہا، کہنے کو بنگلہ ہے مگر حقیقت میں محل ہے اور واقعتاً تھا بھی۔ لوگ دیکھتے اور دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتے۔ نواب صاحب کا ارادہ تھا کہ اس کا افتتاح بڑی شان وشوکت سے کریں گے، اسی ارادے کے پیش نظر صفائیاں دھلائیاں ہو رہی تھیں۔ ریشمی پردے لگائے جا رہے تھے۔ آرائش وزیبائش کا کام آخری مرحلے میں تھا۔ انھی دنوں مظفر نگر کے رہائشی ایک غریب آدمی کی بیٹی کی شادی طے پا گئی۔

لڑکوں والوں نے کہا،

ہم بارات میں سو آدمی لائیں گے۔ لڑکی والوں کی پریشانی تھی کہ بارات ٹھہرائیں گے کہاں۔ اس زمانے میں میرج ہال تو تھے نہیں، غریب باپ اسی سوچ فکر میں تھا۔ ایک خیر خواہ سیانے آدمی نے کہا:

"بارات ٹھہرانے کی جگہ تو میں بتا دیتا ہوں اگر۔" غریب باپ نے سوالیہ نگاہوں سے اپنے خیر خواہ کو دیکھا اور پوچھا: "اگر کیا۔"

"اگر تمہاری قسمت اچھی ہو اور نواب مظفر خان مان جائیں تو۔"

"کیا مطلب؟"

مطلب یہ ہے نواب خان نے جو نیا بنگلہ بنایا ہے، وہ بالکل خالی ہے۔ انھوں نے ابھی اس میں رہائش اختیار نہیں کی۔ ایک دو دن تمہاری بیٹی کی بارات ٹھہر جائے تو کوئی مسئلہ نہیں۔ صفائیاں وغیرہ تو ویسے بھی ابھی ہو رہی ہیں۔ نواب صاحب رحم دل اور غریب پرور آدمی تھے۔ لڑکی کا باپ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت سے اپنی حاجت پیش کر دی۔ نواب صاحب نے سن کر کہا:

"بنگلہ تو میں دے دوں گا مگر ایک شرط ہے۔"

"سرکار میں غریب مسکین آپ کی شرط کیا پوری کر سکتا ہوں۔ ویسے جو حکم دیں گے، پورا کروں گا۔" کریم بخش عرف کریمو نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ نواب صاحب مسکرائے اور فرمایا:

"جتنے دن بارات ٹھہرے گی، اس کا تین وقت کا کھانا بھی میری طرف سے ہوگا۔"

کریم بخش کی آنکھوں میں احسان مندی سے آنسو آ گئے۔ اس نے پگڑی کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"نواب صاحب آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ ساری زندگی بھی لٹا دوں تو آپ کے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میاں کریمو! اب میرے بنگلے کا افتتاح تمہاری بیٹی کی بارات سے ہی ہوگا۔ یہ لو چابیاں اور جہاں مزید صفائی کی ضرورت ہو، خود ہی کر لینا۔"

"اور پھر بارات دو دن بنگلے میں ٹھہری۔ زردہ پلاؤ اور متنجن کی دیگیں پک پک کر آتی رہیں۔ رخصتی کے وقت عورتوں بچوں سمیت ہر باراتی کو ایک ایک جوڑا دیا گیا۔ نواب صاحب کی طرف سے بارات رخصت ہوئی تو کریم بخش احسان کے بوجھ تلے دبا شکریے کے احساس میں ڈبڈباتی آنکھوں سے نواب صاحب کی خدمت میں چابیاں واپس کرنے آیا۔ نواب صاحب نے چابیوں کا گچھا لوٹاتے ہوئے کہا:

"کریم بخش! یہ بنگلہ تو باغ سمیت ہم نے تمہاری بیٹی کو اسی وقت دے دیا تھا جب تم بارات ٹھہرانے کی اجازت لینے آئے تھے۔ جاؤ ہم نے آپ کی بیٹی کو دے دیا۔" اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی موجود ہیں۔

تصویر کی دھمکی

9

اشتیاق احمد

"آپ ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" سردار ہارون نے ہکلا کر کہا۔

"یہ کہ کہیں ایسا تو نہیں، شابو نام کا کوئی آدمی واقعی آپ کا ملازم رہا ہو اور آپ کے ہاتھ سے اتفاق سے آپ کا ایک ملازم ہلاک ہو گیا ہو اور آپ نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اپنے ملازم شابو کو فون کر کے بلا لیا ہو، پھر جب وہ اندھیرے میں لاش پر گرا تو اس کی تصویریں اُتار لی ہوں اور اب تک آپ ان تصویروں کی دھمکی کے ذریعے اسے اپنا غلام بنائے ہوں۔ اس سے سمگلنگ کے کام میں مدد لے رہے ہوں۔"

"نہیں نہیں، یہ جھوٹ ہے، بالکل غلط ہے ... شابو نامی آدمی کی کہانی سو فیصد فرضی ہے ... اس کا کوئی سر پیر نہیں، آپ مجھ پر اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتے ... میں ایک باعزت شہری ہوں ... انوار صاحب یہ آپ کی موجودگی میں مجھے کیا کہا جا رہا ہے ... بلیک میلر، سمگلر۔" سردار ہارون چیخنے کے انداز میں کہتا چلا گیا۔

"دیکھیے جناب، آپ میری موجودگی میں کسی پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں لگا سکتے، ہاں یہ اس صورت میں ممکن ہے، جب آپ کے پاس کوئی ثبوت ہو۔" انوار صدیقی نے بُرا مان کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے جناب، ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں، میں نے تو صرف ایک خیال پیش کیا تھا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"بہرحال اب میرا کام یہ ہے کہ شابو نامی آدمی کو تلاش کروں اور اس کے لیے پہلے مجھے گھوش سے ملنا ہوگا۔" انوار صدیقی نے کہا۔

"گھوش تو شاید آپ کو کہیں مل جائے، لیکن شابو اب آپ کے ہاتھ کہاں آئے گا ... اس نے اس کوٹھی پر نظر رکھی ہوگی اور صبح جب یہاں رونے پیٹنے کی آواز نہیں سنی ہوگی تو جان گیا ہوگا کہ اس کا وار خالی گیا ہے، لہٰذا وہ اب تک غائب ہو چکا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خیال ظاہر کیا۔

"آپ سے کون کہہ رہا ہے کہ بار بار اپنی رائے پیش کریں۔ آپ اپنا فرض پورا کر چکے، لہٰذا تشریف لے جا سکتے ہیں۔" انوار صدیقی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بہت اچھا، ہم چلے جاتے ہیں، لیکن میری باتوں پر غور ضرور کیجیے گا ... یا پھر آپ سردار صاحب کی تجوری کی تلاشی لیں ... کیا خبر اس میں کوئی لفافہ موجود ہی ہو۔"

"پھر وہی۔" انوار صدیقی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہنا چاہا، لیکن ساتھ ہی اس کی نظریں سردار ہارون کے چہرے پر پڑیں۔ اس نے دیکھا، اس کا چہرہ انسپکٹر کامران مرزا کے الفاظ سن کر ایک دم زرد پڑ گیا تھا، لہٰذا اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور سردار ہارون سے کہا:

"آپ کو کیا ہوا سردار صاحب؟"

"جی کچھ نہیں ... میں سوچ رہا ہوں، کیا زمانہ آ گیا ہے، میرے منہ پر ہی مجھ پر کیسے کیسے الزام لگائے جا رہے ہیں ... ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ صاحب مجھے بلیک میلر اور سمگلر جیسے الفاظ سے نواز چکے ہیں اور اب آپ کو میری تجوری کی تلاشی لینے کا مشورہ دے رہے ہیں ... کیا میں چور ہوں ... ڈاکو ہوں یا کیا ہوں۔" سردار صاحب نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

"واقعی یہ بہت بری بات ہے، لیکن سردار صاحب، یہ الفاظ سن کر غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو جانا چاہیے تھا ... لیکن میں دیکھ رہا ہوں، آپ کا رنگ اُڑ گیا ہے۔"

"کیا غصے کی وجہ سے رنگ نہیں اُڑ سکتا۔" سردار ہارون اس پر الٹ پڑے۔

"یہ تو کوئی ماہرِ نفسیات ہی بتا سکتا ہے شاید۔" آفتاب نے پہلی بار دخل دیا۔

"صدیقی صاحب، میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ کیا آپ میری تجوری کی تلاشی لینا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ شوق سے تلاشی لیں۔" سردار ہارون کا انداز پھاڑ کھانے والا ہو گیا۔

"جی نہیں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

"اچھا جناب، ہم چلتے ہیں، کیونکہ اب یہاں ہماری موجودگی کو برداشت نہیں کیا جا رہا۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی نے ان کے اٹھنے پر ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ تینوں ڈرائنگ روم سے نکل کر کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے دبی آواز میں کہا:

"انوار صدیقی تلاشی لے یا نہ لے، میں ضرور تجوری کی تلاشی لوں گا۔"

O

رات تاریک تھی ... سردار ہارون کی کوٹھی کے دروازے پر دو کانسٹیبل پہرہ دے رہے تھے ... ایسے میں تین سائے اس درخت کے نیچے پہنچ کر رک گئے، جس کے ذریعے آفتاب اور آصف چار دیواری پر چڑھے تھے ...

"لیکن ابا جان آج تو سردار ہارون نے کھڑکی بھی بند کر رکھی ہوگی۔" آفتاب کی آواز سنائی دی۔ آواز حد درجے نیچی تھی۔

"دیکھا جائے گا، چاہے کچھ بھی ہو، میں اس تجوری کی تلاشی ضرور لوں گا۔"

چھوٹے قد والے دل چھوٹا نہ کریں

● کیا چھوٹا قد آپکو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے؟
● چھوٹے قد اور کمزور صحت کیوجہ سے اکثر بچے بچیوں کے رشتے نہیں ہو پاتے۔
● چھوٹے قد اور کمزور صحت کی وجہ سے نوکری نہیں مل پاتی۔
● چھوٹے قد کی وجہ سے لڑکیاں سسرالیوں اور شوہر کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہیں۔
● چھوٹا قد اور کمزور صحت بچوں کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے — تو پریشان ہونا چھوڑ دیجیے

آپ میڈلیسن کا ساتھ دیں • میڈلیسن آپکا ساتھ دے گی

بچوں کے چھوٹے قد سے پریشان نہ ہوں 30 سال تک کے لڑکے لڑکیاں اپنے قد میں اضافہ کر سکتے ہیں جوان ہونیوالے لڑکے لڑکیوں کو پروٹین کی بہت ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی کیوجہ سے قد بڑھنا رک جاتا ہے صرف 10 فیصد ہارمونز کی کمی بیشی سے ایسا ہوتا ہے۔ اس دوران لحمیات زیادہ کریں۔ تاکہ بڑھوتری جلد ممکن ہو سکے۔

(IdealHeight)
آئیڈیل ہائیٹ کورس

اب قد بڑھانا بے حد آسان
قد میں یقینی اضافہ
چھوٹے قد والوں کے لئے بلبی خوشخبری
کورس 1 ماہ قیمت 1600 روپے

قد بڑھنے کا شیڈول
12 سے 18 سال تک عمر، قد میں 6 انچ اضافہ
19 سے 24 سال تک عمر، قد میں 4 انچ کا چانس
25 سے 30 سال تک عمر، قد میں 2 انچ اضافہ۔

کورس بذریعہ V.P روانہ کیا جاتا ہے خرچہ 50 روپے
صبح 11 بجے سے 6 تک کال کر کے VP منگوا سکتے ہیں
0313-5022903—0334-0700800
WWW.deva Pk Com

گرتے بال، سکری خشکی، چہرے پر کیل چھائیاں، داغ، دھبے، فالتو بال، کالی رنگت، جوڑوں کا درد، گردہ پتھری، معدہ دمہ، ہر قسم کی کمزوری کا مکمل علاج

اپنی صحت کے بارے میں مفت کتابچہ منگوانے کیلئے اپنا نام پتہ SMS کریں 0313-5022903

انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"کیا آپ کے خیال میں تجوری میں واقعی کوئی تصویروں کا لفافہ موجود ہے۔"
"ہاں، میں یہی سمجھتا ہوں ... میرا خیال ہے شابو ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا... وہ چاہتا تھا، سردار ہارون ختم ہو جائے اور تصویروں کا لفافہ بھی اس کے ہاتھ لگ جائے۔"
"خیر تو پھر بسم اللہ کرتا ہوں۔" آفتاب نے کہا اور درخت پر چڑھنے لگا۔
اس کے بعد آصف اور انسپکٹر کامران مرزا بھی درخت کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے، پھر دوسری طرف آواز پیدا کیے بغیر اُتر گئے ... اب تینوں دبے پاؤں سردار ہارون کے کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھے ... نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا، کھڑکی کے پٹ بند تھے ... انسپکٹر کامران مرزا نے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو پٹ کھلتے چلے گئے ... تینوں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ سردار ہارون آج بھی کھڑکی اندر سے بند کیے بغیر سو رہا تھا... اُچک کر جو دیکھا تو عجیب منظر نظر آیا... سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخص تجوری کے سامنے کھڑا تھا... اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا تھا اور وہ تالے کے سوراخ میں ایک چابی گھما رہا تھا... انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... انسپکٹر کامران مرزا نے انھیں بالکل خاموش رہنے کا اشارہ کیا... تینوں ٹکٹکی باندھے اندر دیکھنے لگے ... نقاب پوش ان سے بے خبر باری باری چابی بدل رہا تھا... اس کا ایک ہاتھ تجوری کے ہینڈل پر بھی تھا... یہ دیکھ کر آفتاب اور آصف کو بڑی حیرت ہوئی ... گویا نقاب پوش کو یہ معلوم تھا کہ ہینڈل کا بٹن دبائے بغیر تجوری نہیں کھلتی ...
اسی وقت انھوں نے کلک کی آواز سنی ... سردار ہارون اور اس کی بیگم اپنی مسہریوں پر بے سدھ پڑے تھے ... نقاب پوش نے تجوری کا ہینڈل پکڑ کر کھینچا تو پٹ کھل گئے ... وہ جلدی جلدی تجوری کی تلاشی لینے لگا... انھیں اور بھی حیرت ہوئی، کیونکہ اس بار تجوری کی تصویر نے کوئی دھمکی نہیں دی تھی اور نہ سردار ہارون کی آنکھ کھلی تھی ... انسپکٹر کامران مرزا کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا... انھوں نے پستول جیب سے نکال لیا...
ادھر نقاب پوش پوری تن دہی سے تلاشی لینے میں مصروف تھا، لیکن شاید اسے مسلسل ناکامی ہو رہی تھی ... تصویروں کا لفافہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا... اس حالت میں تقریباً دس منٹ گزر گئے، پھر وہ سردار ہارون کی طرف مُڑا... اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا اور پستول کی نالی سے سردار ہارون کے بدن کو ٹہوکا دیتے ہوئے بولا:
"اُٹھو سردار صاحب، تم ہی اس سلسلے میں میری مدد کرو گے۔"
سردار ہارون شاید گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ کوئی تیسرے ٹہوکے پر اُٹھا۔ جوں ہی اس کی نظر نقاب پوش پر پڑی۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ چہرے پر زلزلے کے آثار طاری ہو گئے۔
"کک، کون، ہو تم؟"
"مجھے شابو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔
"کیا؟" سردار ہارون چیخ پڑنے کے انداز میں بولا۔
"آواز نیچے رکھو سردار ہارون، میرے ہاتھ میں اس وقت بے آواز پستول ہے ... گولی تمہاری کھوپڑی میں اُتر جائے گی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی ... اپنی تجوری کی طرف دیکھو، وہ کھلی پڑی ہے اور مزے کی بات یہ کہ آج تجوری کی تصویر نے مجھے دھمکی بھی نہیں دی، تمھیں بھی نہیں جگایا۔"
"اوہ، تو تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔" سردار ہارون نے چونک کر کہا۔
(جاری ہے)

ڈاکٹر ہاشین سے انٹرویو

(محمد فیصل حبیب۔مہند شریف)

س: آپ کے نام کا مطلب کیا ہے۔

ج: مطلب تو پتا نہیں، البتہ جنھوں نے نام رکھا تھا، انھوں نے بتایا تھا کہ ی سے پہلے ہ آتا ہے اور س کے بعد ش آتا ہے، گویا سین (یٰسین) سے ملا ہوا ہاشین (ہٰشین) ہے۔

س: آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

ج: سینٹ جوڈز سکول نارتھ ناظم آباد کراچی۔

(ملک محمد رضوان کھوکھر۔لاہور)

س: آپ کے نزدیک زندگی کیا ہے۔

ج: زندگی اللہ کی امانت ہے۔

س: آپ اپنے آپ میں سب سے ہٹ کر کیا چیز محسوس کرتے ہیں۔

ج: آپ کے اس سوال سے تو فی الحال چکر محسوس کر رہا ہوں۔

س: آپ کو کون سا تحفہ پسند ہے۔

ج: ایزی لوڈ۔

(محمد فیضان فاروقی۔واہ گارڈن)

س: آپ کی زندگی کا حاصل کیا ہے۔

ج: میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
تیرے عاشقوں میں جینا، تیرے عاشقوں میں مرنا (یعنی اللہ تعالیٰ)

س: کوئی ایسا واقعہ جو آپ کی زندگی میں تبدیلی کا سبب بنا ہو۔

ج: حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ کی زیارت۔

س: کیا کسی کو متاثر کرنے کے لیے انگریزی کے زیادہ الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔

ج: یہ احساسِ کمتری ہے۔

(حافظ محمد وبنتِ مولانا گلزار احمد۔جہانیاں)

س: لغت کے اعتبار سے آپ کے نام کے کیا معنی ہیں۔

ج: کوئی معنی نہیں۔

س: آپ اتنی سنجیدہ طبیعت کے مالک کیوں ہیں۔

ج: یہ انسانی فطرت ہے۔ویسے آپ کافی ذہین ہیں۔

(عروب شیخ۔لاہور)

س: دنیا گول ہے تو سڑکیں کیوں سیدھی ہیں۔

ج: جس طرح دنیا گول ہے، لیکن گول نظر نہیں آتی، اسی طرح سڑکیں بھی سیدھی نظر آتی ہیں، لیکن ہیں نہیں۔

(محمد دانش اسلم جنجوعہ، محمد ذیشان اسلم۔کبیر والا)

س: ڈاکٹر صاحب! اکثر ڈاکٹر گنجے ہوتے ہیں، آپ کس حال میں ہیں۔

ج: الحمدللہ میرے بال گھنے ہیں۔

س: آپ کی مادری زبان اور آپ کی قوم۔

ج: سرائیکی، شیخ انصاری۔

س: کراچی میں بہت سے علماء کرام رہتے ہیں، کیا آپ نے کبھی کسی سے ملاقات کی؟

ج: روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔اکابرین میں مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ اور مولانا سعید احمد جلال پوری شہید میرے والد سے علاج کراتے رہے۔اب ان کے بچے اور پوتے آتے رہتے ہیں۔

(حافظ نوید احمد عجمی۔بہبودی اٹک)

س: آپ کا نام کس نے رکھا اور گھر میں آپ کو کیا کہہ کر پکارتے ہیں۔

ج: مجھے گھر میں ہاشین کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

س: کیا آپ نے کبھی ماں باپ سے مار کھائی ہے۔

ج: بچپن میں والد صاحب سے ایک بار اور والدہ سے کئی بار ہلکی پھلکی مار کھائی ہے۔زیادہ تر چھوٹے بھائیوں کو تنگ کرنے کی وجہ سے مار پڑی۔

س: آپ اپنی کہانیوں پر کون سا دم کرتے ہیں کہ آپ کی اتنی کہانیاں مقبول ہو گئیں۔

ج: نہ کوئی دم کرتا ہوں، نہ میرا خیال ہے کہ اتنی مقبول ہوئی ہیں۔

(محمد ابراہیم قاسمی۔نیو سنٹرل جیل ملتان)

س: آپ کس شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

ج: حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ سے۔

س: عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں، بتانا پسند کریں گے۔

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں۔یہ حیات برزخی ہے مگر حیاتِ دنیوی سے قوی تر ہے۔آپ کا بدن مقدس بعینہٖ محفوظ ہے۔احکامِ شرعیہ کے آپ مکلف نہیں ہیں۔وہ نماز بھی پڑھتے ہیں

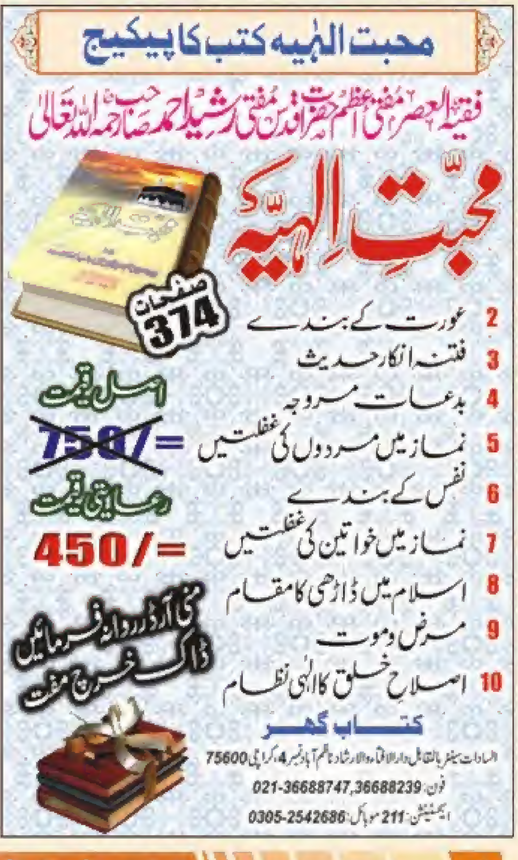

اور روضۂ اقدس میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے، اُسے بلاواسطہ سنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیات کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔

س: علمائے دیوبند کے کردار اور شخصیت کو دو الفاظ میں قلم بند کریں۔

ج: یہ ممکن نہیں کہ دو الفاظ میں ان کا حق ادا ہو جائے۔

(محمد طیب طاہر۔فیصل آباد)

س: کیا آپ اثر جون پوری صاحب کی طرح آموں کے زیرِ اثر ہیں۔

ج: اتنا زیادہ نہیں۔

س: اپنے اوپر کی گئی تنقید کیسی لگتی ہے۔

ج: تعریف کے مقابلے میں تنقید زیادہ پسند ہے، کیونکہ ان خطوط میں وجہ بھی لکھی ہوتی ہے۔

(عائشہ، خدیجہ، حفصہ، بنات ریاض۔میاں چنوں)

س: ڈاکٹر صاحب آپ کے کتنے بچے ہیں۔ ان کے نام کیا ہیں اور وہ کیا کرتے ہیں۔

ج: عفان اور عینا۔ دونوں حافظ ہیں۔ ساتویں میں۔

س: آپ کس چیز کے سپیشلسٹ ہیں۔

ج: فیملی میڈیسن۔

س: آپ کے پسندیدہ رائٹر کون ہیں۔

ج: اشتیاق احمد۔ محمد شاہد بھلور۔ ضیاء اللہ محسن۔

(غلام فاروق اعظم۔سنانواں)

س: آپ کی دینی اور دنیاوی تعلیم کیا ہے؟

ج: قرآن مجید ناظرہ پڑھا ہوا ہے، دنیاوی تعلیم ایم بی بی ایس۔ ایم ایس سی پی۔

س: آپ اپنا پورا پتا بتائیں۔ میں آپ کو خط لکھوں گا۔

ج: ڈاکٹر فرقان ہاشمی D.I الاعظم پلازہ۔ سپر مارکیٹ سہراب گوٹھ کراچی۔

س: پاکستان میں سب سے زیادہ پسندیدہ شخصیت؟

ج: والدہ محترمہ۔

(انعم محمد عمیر منظور احمد۔ گیلے واں)

س: آپ کو بچوں کا اسلام کے قارئین میں سے سب سے زیادہ کون پسند ہے۔

ج: اپنے بچے۔

س: آپ نے کتنے حج اور عمرے کیے ہیں۔

ج: ابھی تک بلاوا نہیں آیا۔

س: انٹرویو کے سوالات پڑھتے ہوئے آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔

ج: خوشی!

(خنسا محمود۔ گوجرانوالہ)

س: آپ کو اتنے کم وقت میں اتنی زیادہ مقبولیت کیسے مل گئی۔

ج: میں خود حیران ہوں۔

س: آپ کی عمر کتنی ہے۔

ج: 1971 کی پیدائش ہے۔

س: جب مدیر نے آپ سے انٹرویو کا پوچھا تو آپ کی کیا کیفیت تھی۔

ج: اللہ معاف فرمائے، فخر کا احساس ہوا تھا۔

(انعم احسان۔شہر سلطان)

س: آپ کی اشتیاق احمد سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی؟

ج: 9 ستمبر 2012 کو ایکسپو سنٹر میں ہوئی تھی، لیکن یہ اکلوتی ملاقات بھی آدھی تھی، کیونکہ انھیں بے حد مصروف دیکھ کر میں نے اپنا تعارف صحیح طور پر نہیں کرایا تھا، چنانچہ وہ مجھے ابھی تک نہیں پہچانتے۔

س: کیا ڈاکٹر اپنی خواہش سے بنے۔

ج: جی ہاں!

(بنت مولانا سیف الرحمٰن)

س: میڈیکل کی ڈگری کون سے کالج سے حاصل کی۔

ج: سندھ میڈیکل کالج کراچی سے۔

س: آپ کا آبائی علاقہ کون سا ہے۔

ج: کالا گوجراں۔ جہلم۔ (باقی انٹرویو آیندہ شمارے میں)

مفتی جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاول پور

حضرت محمد بن حمیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گزر بقیع غرقد کے قبرستان سے ہوا۔ آپ نے کہا:

"السلام علیکم یا اہل القبور! یعنی اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہاری عورتوں نے دوسری شادیاں کر لیں اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہاتف غیب سے یہ جواب ملا:

"ہمارے پاس خبر یہ ہے کہ جو کچھ ہم زندگی میں کر چکے، اسے ہم نے پالیا اور جو کچھ ہم نے خرچ کیا، اس کا نفع مل گیا اور جو کچھ ہم چھوڑ آئے، اس سے ہم خسارے میں پڑ گئے۔ (کنز العمال: 123/8)

خبریہ ہے

Subscription Charges
Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)
Bank Account
The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین
The TRUTH

کراچی: 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاھور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0334-6771165
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جا سکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
دی ٹرتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355
www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com

اُن کہا سوال

"فاروق صاحب کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہوں اور آج اس مقام پر پہنچ کر بھی حاصل نہ کر سکے ہوں؟" عباد احمد کے اس سوال پر فاروق حسن نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور ان کی گردن دھیرے سے اثبات میں ہل گئی۔

عباد احمد کے لیے یہ بات بہت حیران کن تھی، کیونکہ وہ تو فاروق حسن کو دنیا کے خوش قسمت ترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ فاروق حسن ملک کے امیر ترین، معزز ترین اور مشہور ترین لوگوں میں سے تھے۔ ان کا کپڑے کا بہت وسیع کاروبار تھا جو ملک کے درجنوں شہروں میں پھیلا ہوا تھا۔ ان کی رہائش ایک بہت بڑی کوٹھی میں تھی جس کی ہر چیز پر پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ ملازمین کی ایک فوج تھی جو ہر وقت ان کے حکم کے انتظار میں رہتی تھی۔ دولت، عزت، شہرت، بیوی، بچے سب کچھ ان کے پاس تھا، وہ تھے بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند۔ عباد احمد ان کے ہمسائے تھے۔ امیر تو وہ بھی بہت تھے۔ دنیا کی سب سہولتیں انھیں بھی میسر تھیں، پر فاروق صاحب جتنی دولت ان کے پاس نہیں تھی۔ وہ تھے بھی بے اولاد۔ اسی لیے وہ شروع سے فاروق حسن کی قسمت پر رشک کیا کرتے تھے۔ عباد احمد ایک ضروری کام سے واپس آ رہے تھے کہ ان کی کار کے ٹائر ایک دم چرچرائے اور کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کار کا جائزہ لینے لگے، ساتھ ہی اندازہ لگا رہے تھے کہ ورکشاپ یہاں سے کتنی دور ہے۔ اچانک سامنے سے فاروق حسن کی گاڑی آتی دکھائی دی۔ فاروق حسن دور سے ہی انھیں پہچان گئے۔ عباد صاحب کے قریب پہنچ کر انھوں نے گاڑی روکی اور باہر نکل آئے۔

"کیا بات ہے عباد صاحب، پریشان لگ رہے ہیں؟"

"اچانک ہی رُک گئی ہے۔ اب ورکشاپ تک لے جانا پڑے گا لیکن رات کا وقت ہے۔" عباد احمد افسوس ناک لہجے میں کہہ رہے تھے۔

بینا رانی۔ ملتان

"اوہ! کوئی مسئلہ نہیں! دو ملازم ہیں میرے پاس۔ یہ کام ان پر چھوڑتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔ گھر ہی جانا ہے ناں آپ کو؟"

"جی! جی شکریہ فاروق بھائی۔" انھوں نے کہا اور فاروق حسن کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھے۔ اس وقت یہ سوال ان کی زبان پر آ گیا۔

"فاروق صاحب کوئی ایسی چیز بھی ہے کیا جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہوں اور آج اس مقام پر پہنچ کر بھی حاصل نہ کر سکے ہوں؟" فاروق حسن گہری سوچ میں ڈوبے گاڑی چلاتے رہے۔ اچانک ان کی نظر سڑک کے ایک طرف فٹ پاتھ پر کسی چیز پر پڑی اور انھوں نے ایک دم گاڑی کو بریک لگا دیے۔

"عباد صاحب ایک منٹ باہر آیئے۔" انھوں نے نیچے اترتے ہوئے کہا تو عباد احمد بھی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں باہر نکل آئے۔

"دراصل آپ کے سوال کا جواب دینے کے لیے میں گاڑی سے اُترنے پر مجبور ہوا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" عباد احمد کی حیرت عروج پر تھی۔ یہ رات گیارہ بجے کا وقت تھا۔

"ہاں عباد صاحب! یہ چیز ہے جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں، پر حاصل نہیں کر پا رہا۔" اب عباد احمد نے ان کے ہاتھ کے اشارے کی طرف دیکھا۔ ان کا اشارہ فٹ پاتھ پر دنیا و مافیہا سے بے خبر سوئے ہوئے ایک بوڑھے آدمی کی طرف تھا۔

"عباد صاحب! اس بوڑھے کو دیکھ رہے ہیں ناں۔ بس یہ چیز! یہ چیز نہیں ہے میرے پاس جو اس بوڑھے کے پاس ہے۔" عباد احمد پلکیں جھپکا کر اس بوڑھے شخص کو دیکھنے لگے جس کے جسم پر پرانا بوسیدہ لباس تھا۔ ساتھ ہی اس کے گھسے پٹے ہوائی چپل پڑے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔ پھر وہ کیا چیز تھی جو فاروق صاحب کو نظر آ رہی تھی مگر عباد صاحب کو نہیں۔ کچھ دیر غور سے بوڑھے کو دیکھنے کے بعد عباد احمد نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"دیکھیں عباد صاحب! یہ بوڑھا کھلے آسمان کے نیچے، سخت زمین پر، گاڑیوں کے بے ہنگم شور کے درمیان دنیا و مافیہا سے بے خبر خراٹوں کے ساتھ نیند کے مزے لوٹ رہا ہے اور! اور میں اپنے گھر کے محفوظ ترین کمرے میں، نرم گداز بستر پر خاموشی کے گہوارے میں، دو، دو تین، تین نیند کی گولیاں کھانے کے بعد بھی ایسی نیند کو ترستا ہوں۔ ہاں سب کچھ پا کر میں اس قیمتی متاع کو کھو چکا ہوں۔ اس بوڑھے کو کیا خبر کہ دنیا کی کتنی بڑی نعمت اس کے پاس موجود ہے۔" فاروق حسن کی آنکھوں میں آنسو جھلمل کرنے لگے۔ ذرا توقف کے بعد ان کی آواز پھر سنائی دی۔

"عباد صاحب میں نماز بھی پڑھتا ہوں، قرآن بھی پڑھتا ہوں، زکوٰۃ بھی پوری پوری ادا کرتا ہوں، حج بھی کئی بار کر چکا ہوں، پر ان سب کاموں کا لطف حاصل کرنے سے محروم ہوں۔ نماز قرآن کے دوران بھی میرا دھیان صرف اور صرف کاروبار میں ہوتا ہے، کس کس شہر میں مال پہنچانا ہے؟ کس کو کتنا دینا ہے، کس سے کتنا لینا ہے۔ میری زندگی بس اس حساب کتاب کے گرد گھوم رہی ہے اور اس حساب کتاب سے لاکھ کوشش کے بعد بھی میں چھٹکارا نہیں پا رہا۔ اگر کسی رات نیند کی گولیاں لینے کے بعد میں دو یا تین گھنٹے آرام سے سو جاؤں تو میری خوشی دیدنی ہوتی ہے۔" فاروق حسن کہتے جا رہے تھے اور عباد صاحب سوچ رہے تھے کہ جس شخص کو وہ آج تک خوش قسمت ترین لوگوں میں شامل کرتے رہے ہیں، وہ اتنا بھی خوش قسمت نہیں۔

ضروری اعلان

آیندہ انٹرویو آپ حافظ محمد حمزہ شہزاد سے کریں گے۔

آپ ان سے جو سوالات کرنا چاہیں،
ایک فل سکیپ کاغذ پر لکھ کر ارسال کر دیں۔
اس اعلان کے بعد
صرف ایک ماہ تک سوالات جمع کیے جائیں گے۔
ہر قاری صرف تین سوال کر سکتا ہے۔
ہر سوال لکھنے کے بعد جواب کے لیے جگہ چھوڑی جائے گی۔ شکریہ!
سوالات اس پتے پر ارسال کریں۔
اشتیاق احمد۔ بازار لوہاراں۔ جھنگ صدر۔

ناقابلِ اشاعت

اس سادگی پہ راولپنڈی۔ غمگین خوشی واہ کینٹ۔ شکست کراچی۔ درمیانی راستہ کراچی۔ نجانے کیوں؟۔ تم جیت گئے ملتان۔ عجیب امتحان تلمبہ۔ محبِ وطن خان پور۔ احساس کمالیہ۔ ندامت کمالیہ۔ تم غدار ہو کراچی۔ بیٹی اللہ کی رحمت لاہور۔ ہیں تو ایک کچھ ٹوبہ۔ دادا ڈاکو؟۔ ماڈرن مولوی؟۔ حقیقی خوشی اٹک۔ وہ جنت کا مکین اٹک۔ ڈاکے پہ دلیل اٹک۔

مصریوں کی مستیاں

مولانا محمد ہاشم عارف۔ کراچی

18 جون تقریباً صبح دس بجے قاہرہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ لینڈ کر چکے تھے۔ یہ ایئر پورٹ کم جہازوں کا کباڑ خانہ زیادہ تھا۔ جابجا ٹوٹے پھوٹے اور تباہ شدہ ہر قسم کے طیارے بکھرے پڑے تھے۔ گویا کھلونے ہوں کہ بچوں کی لڑائی میں ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ غالباً اسرائیل مصر کی جنگ کے دوران مصر کے تباہ شدہ جہاز تھے جنھیں شاید انتقام کی آگ کو بھڑکانے کے لیے جان بوجھ کر باقی رکھا گیا تھا۔

جدید دنیا میں ایئر پورٹ بھی ملک یا شہر کا چہرہ ہوتا ہے۔ باہر سے آنے والے لوگوں پر یہ ایئر پورٹ پہلا تاثر پیش کرتا ہے۔ یہیں سے لوگ یہاں کے رہنے والوں کی نفسیات کا اندازہ لگاتے ہیں۔ بہرحال میں نے اپنا سر جھٹکا اور اگلے مرحلے یعنی امیگریشن کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگا۔ شام اور اردن میں امیگریشن کی مشکلات کا یاد آتے ہی دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ دعائیں پڑھتا ہوا عمر کے ساتھ ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوا اور امیگریشن کاؤنٹر کی لائن میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔

میں لائن میں کھڑے ہو کر لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایئر پورٹ پر بڑی تعداد مصریوں کی تھی جو مسلسل بدانتظامی کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر ممالک کے سیاح بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ان میں چین اور جاپان کے سیاح نمایاں تھے۔ جون جولائی چھٹیوں کے مہینے تھے۔ ان میں پوری دنیا کے لوگ سیاحت کے لیے دیگر ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ ابھی میں جائزہ ہی لے رہا تھا کہ ایک طرف سے کچھ شور کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ کچھ لوگ آپس میں لڑ رہے تھے۔ یہ سارے لوگ مصری ہی تھے۔ لائن میں آگے پیچھے کھڑے ہونے پر لڑائی ہو رہی تھی۔ بہرحال موقع پر موجود پولیس افسران نے صلح صفائی کروادی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے۔ ہماری ایک بہت ہی بری عادت ہے۔ ہمیں جہاں موقع ملتا ہے ہم اپنے پیارے وطن پاکستان کی برائیاں شروع کر دیتے ہیں۔ پاکستان ایسا ہے پاکستان ویسا ہے۔ یہ برائیاں درحقیقت ہماری اپنی برائیاں ہیں۔ ہم خود برے ہیں۔ ہماری سوچ بری ہے، اس لیے ہمیں پاکستان میں سب برے نظر آتے ہیں۔ خدارا مثبت سوچ اپنایئے۔ اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش کریں تو معاشرہ خود بخود سدھرتا چلا جائے گا۔

دوسری بات میں آپ کو اپنا مشاہدہ بتاتا ہوں۔ حرمین شریفین میں تو دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں، لیکن جتنے بااخلاق اور باادب اور صاف ستھرے پاکستان ہندوستان کے لوگ ہوتے ہیں، اتنے اور کوئی بھی نہیں ہوتے۔ رشوت لینا، جھوٹ بولنا، دھوکا دینا، چوری ڈاکے دنیا میں کہاں نہیں ہیں۔ امریکہ جو اپنے آپ کو علم و ہنر کا چیمپئن سمجھتا ہے، وہاں جرائم کی تعداد دنیا کے دیگر ممالک سے کہیں زیادہ ہے، لیکن وہ لوگ محب وطن ہیں۔ اپنے لوگوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے ملک کی برائیاں نہیں کرتے جب کہ ہمیں اپنے وطن سے کوئی محبت نہیں ہے۔ ہم دوسروں کی اصلاح تو کرنا چاہتے ہیں، اپنی اصلاح نہیں کرتے اور پھر ہر جگہ، ہر مقام پر پاکستان کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ اللہ کا شکر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان جیسا خوب صورت اور تمام وسائل سے بھرپور ملک دیا ہے۔ اس کی قدر کریں۔ اس کو خوب صورت بنائیں اور اس کی ترقی کے لیے دن رات کوشش کریں۔ اگر میں یہ بات بھی کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ پاکستان ہی ایک واحد اسلام کا قلعہ ہے جس کی وجہ سے کفار عالم اسلام کو مکمل طور پر ہڑپ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔

بات دور نکل جائے گی۔ آیئے دوبارہ مصر چلتے ہیں۔ امیگریشن کی لائن آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ میں کاؤنٹر سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے جیسے کاؤنٹر قریب آرہا تھا، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ زبان مسلسل ورد میں مشغول تھی۔ بہت سے لوگوں سے سنا تھا کہ تھوڑا سا بھی اگر شک ہو جائے تو مصری حکام فوراً ڈی پورٹ کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے تک تو ڈاڑھی ہی مشکوک ہونے کے لیے کافی تھی، اگرچہ میں نے شلوار قمیص کی جگہ سیاحوں کی صورت اختیار کرتے ہوئے ٹراؤزر اور شرٹ پہنی ہوئی تھی، لیکن ڈاڑھی کا تو میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بھائی عمر مجھ سے آگے تھے۔ ماشاء اللہ ان کے چہرے پر بھی سنت نبوی سجی ہوئی ہے۔ ان کی باری آئی اور وہ کاؤنٹر پر پہنچے۔ آفیسر نے ان کا پاسپورٹ لیا اور سرسری طور پر دیکھ Entry کی مہر لگا کر پاسپورٹ واپس کر دیا۔ یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور پھر میں نے بھی اپنا پاسپورٹ آفیسر کے ہاتھ میں دیا۔ آفیسر نے پورا پاسپورٹ چیک کیا۔ میرے پاسپورٹ میں شام اور اردن کے ویزے بھی لگے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ یہ چند لمحے بہت بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ اچانک اس نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے پوری کوشش کی کہ میں پرسکون اور مطمئن نظر آؤں۔ میرے دل کی کیفیت میرے چہرے پر عیاں نہ ہو۔ اس نے جائزہ لینے کے بعد پاسپورٹ پر Entry کی مہر لگا دی۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ پاسپورٹ واپس لے سکوں، لیکن یہ کیا میرا ہاتھ خالی رہ گیا۔ اس نے میرا پاسپورٹ ساتھ کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں دیا اور مجھ سے کہا کہ آپ کاؤنٹر نمبر (1) سے رجوع کریں۔ اب تو میری ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی۔ آگے عمر میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا:

”کیا ہوا؟ پاسپورٹ کہاں ہے۔“

”پتا نہیں کیا ہوا۔“ اس نے پاسپورٹ مجھے دینے کی بجائے اس شخص کو دیا جو آگے جا رہا ہے اور مجھے کہا کہ کاؤنٹر نمبر (1) پر چلے جاؤ۔

یہ سن کر عمر بھی پریشان ہو گیا۔

میں اس شخص کے پیچھے پیچھے کاؤنٹر نمبر (1) پر گیا وہاں ایک شخص فوجی لباس میں ملبوس لیپ ٹاپ تھامے بیٹھا تھا۔ میرا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پاسپورٹ کے نمبر اپنے لیپ ٹاپ میں لکھے اور Entry دبا کر نتائج دیکھنے لگا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ میں ہکا بکا سکتے کی کیفیت میں بے بسی سے کھڑا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ ہو نہ ہو شام کے ویزے کی وجہ سے مسئلہ ہوا ہے، کیونکہ آج کل وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ لڑائیاں ہو رہی ہیں اور اب بہت تباہی پھیلی ہوئی ہے۔

فوجی افسر نے چند سیکنڈ سکرین پر دیکھا اور میری طرف دیکھے بغیر ہی میرا پاسپورٹ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پاسپورٹ ہاتھ میں لے کر سوالیہ نگاہ سے پہلے شخص کی طرف دیکھا تو اس نے بھی بے فکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا، جاؤ کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں تیز تیز چلتا ہوا عمر کے پاس پہنچا۔ اسے بھی خوش خبری سنائی کہ پاسپورٹ کلیئر ہو گیا۔ بعد میں پتا چلا کہ ان کے پاس مصری حکومت کو مطلوب افراد کی فہرست ہوتی ہے۔ پاسپورٹ نمبر اور تصویر سے وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کہیں یہ شخص مطلوب تو نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ نمٹ چکا تھا۔ ایئر پورٹ سے سامان وغیرہ وصول کر کے جب ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر نکلے تو مجھے ایک خواب سا لگا، لیکن میرا خواب، تمنا، آرزو اور جنون حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔ رکاوٹوں اور بندشوں کے پہاڑ ریت کا تودہ ثابت ہوئے۔ اندیشوں کے گہرے سائے امید اور خوشی کے اجالے میں بدل چکے تھے۔

جی ہاں! میں مصر کی پرکشش مگر پراسرار طلسماتی سرزمین کی فضاؤں میں آزادی سے سانسیں لے رہا تھا۔

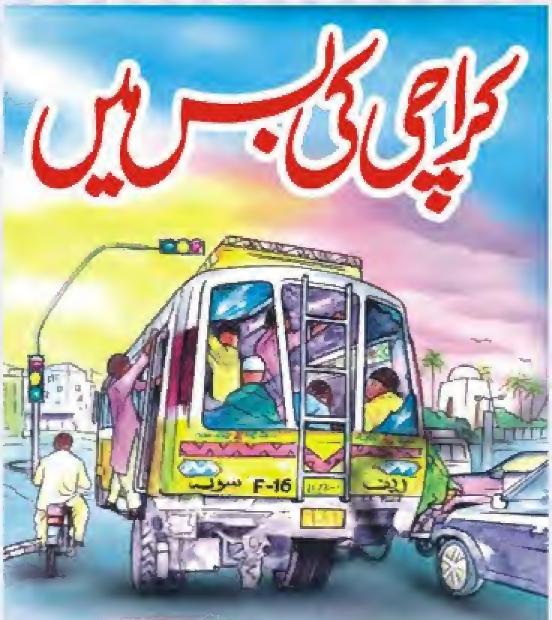

کراچی کی بسیں

سید بلال پاشا۔ واہ کینٹ

کہتے ہیں گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے، ہم کوئی گیدڑ تو نہیں، لیکن بہر حال شمار تو حیوان میں ہی ہوتا ہے۔ خیر ہماری جو شامت آئی تو ہمیں کراچی سے کزن کی شادی کا بلاوا آگیا اور سب گھر والوں کی طرف سے ہمیں نمایندہ بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بہن بھائیوں کی فرمائشوں کے سایے میں ہم روانہ ہوئے، ٹرین کا سفر تو نہایت ہی لطف اندوز رہا، ریلوے انتظامیہ کے نئے پیکج سے انجوائے کرنے کا بھی خوب موقع ملا، اکثر لوگ اس پیکج کو برا سمجھتے ہیں، لیکن ہماری دانست میں تو دنیا کی کوئی ریلوے انتظامیہ اس شفقت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ ایک دن کا ٹکٹ خریدنے پر ایک دن کی سیر بالکل فری۔ آپ خود ہی منصفانہ فیصلہ کر لیں۔

اسٹیشن پر کزن ہمیں لینے آیا ہوا تھا:

''کس پر آئے ہو؟'' ہم نے چھوٹتے ہی پوچھا، کیونکہ ہم آئے تو تھے اکیلے، لیکن نمایندہ ہونے کی وجہ سے سامان پورے کنبے والوں کا لے کر آئے تھے۔

''گاڑی پر آیا ہوں، ابھی نئی ہی لی ہے۔'' اور ہم اپنے سامان کی بابت مطمئن ہو گئے، وہ تو ہمیں اسٹیشن سے نکل کر پتا لگا کہ یہاں موٹر سائیکل کو گاڑی کہتے ہیں، یہ موٹر سائیکل تھی یا عمر و عیار کی زنبیل، سارا سامان اس پر بیٹھ گیا، کزن نے ہمیں بھی رکھ دیا اور خود بھی سما گیا، جب سامان کو بٹھا دیا گیا اور ہمیں رکھ دیا گیا تو ہماری کیا درگت بنی ہوگی۔ اندازہ کر لیں، ہم اپنی حالت پر حیران بھی تھے اور پریشان بھی، لیکن ہمارا غم کچھ ہی دیر میں غلط ہو گیا، ہمارے ساتھ سے ایک صاحب گزرے، انھوں نے اپنی گاڑی، بلکہ جہاز کہا جائے تو بھی بجا ہوگا، کی ٹنکی پر تین بچوں کو بٹھایا ہوا تھا، پیچھے ان کی بیگم صاحبہ ایک ہاتھ میں دو بچوں کو دبوچے بیٹھی تھیں، جب کہ دوسرے ہاتھ سے شوہر صاحب کو ناشتا کرا رہی تھیں، ہمارا شہر ہوتا تو یقیناً ان گاڑیوں کے کرتب دیکھنے پر ٹکٹ لگ جاتا۔ گھر پہنچنے تک ہم موٹر سائیکل کو گاڑی کہنے کے قائل ہو چکے تھے۔

اگلے دن اپنے تین کزنوں کے ساتھ لدے شادی ہال روانہ ہوئے، ہم پر تو بس یہی غم سوار تھا کہ کھانے کا وقت آٹھ بجے ہے اور ہم سب دس بجے جا رہے ہیں، یقیناً بھوکا واپس آنا پڑے گا اور ہمارے گمان کے عین مطابق ہال خالی تھا، وہ تو شکر ہے کہ لوگوں کے واپس جانے سے نہیں بلکہ ابھی تک کسی کے نہ آنے کی وجہ سے خالی تھا۔ بارہ بجے تک مہمان آچکے تھے اور ہمارے پیٹ میں چوہے فٹ بال ٹورنامنٹ کھیل رہے تھے۔

''یار میرے پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہیں۔'' ہم نے بسی سے کزن کی طرف دیکھا۔

''چوہے مار دوائی کھا لو، ابھی تو جوتا چھپائی، دودھ پلائی، انگوٹھی پہنائی، منہ دکھائی۔'' وہ تو شروع ہی ہو گیا، میں نے اس کی طرف سے توجہ ہٹائی، دو تین منٹ بعد کوئی بات کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھا، ''اور دوپٹہ اوڑھائی ہوگی'' ''پھر کھانا ملے گا'' وہ اب تک رسمیں ہی گنوا رہا تھا، اب تو چوہوں نے بھی اودھم مچانا کم کر دیا تھا، ابھی انھیں کافی دیر تک میچ کھیلنا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ بجے زور زور سے گھنٹے سے بجنے لگے اور لوگوں نے دوڑ لگا دی، ایسا سماں تھا کہ گویا سکول کی چھٹی ہوئی ہو، غور کرنے پر پتا چلا کہ آواز کشکول کے ڈھکن اٹھنے کی تھی۔ یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے، لوگ کیوں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ کھانا نکال لانا تو کسی ماہر کے بس کا ہی کام تھا، ہمارے کزن نے ہمیں بھی ساتھ میں شریک کر لیا، ورنہ ہم تو رہ گئے تھے۔

سامنے بیٹھے ایک بچے نے کھانے کے دوران پانی پیا تو اس کے والد نے ایک چپت رسید کی، اس نے جواب میں کچھ کہا تو اس کے ابو نے مزید ایک لگا دی اور ہمیں بچپن کا سنا قصہ یاد آگیا۔ ایک پیٹو صاحب اپنے بیٹے کے ہمراہ کھانا کھانے گئے اور صرف بوٹیاں پھڑکانا شروع کر دیں، نہ پانی، نہ روٹی اور نہ ہی چاول، ان کا بیٹا بھی ان ہی کی پیروی کر رہا تھا، لیکن تھوڑا سا کھانے کے بعد پانی پی لیتا۔ پیٹو صاحب نے اسے ایک جھانپڑ لگایا اور کہا:

''اگر پانی پیتا رہے گا تو پانی سے پیٹ بھر جائے گا، بوٹیاں تیرا باپ کھائے گا؟'' جواب میں ان کے بیٹے نے کہا:

''تھوڑی دیر بعد ذرا سا پانی لینے سے پیٹ میں تہہ لگ جاتی ہے، پھر زیادہ کھایا جاتا ہے۔'' یہ سن کر پیٹو صاحب نے اسے ایک اور رسید کر دی اور کہا، ''تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا'' ادھر بھی کچھ یہی معاملہ تھا شاید، کیونکہ دوسری طرف چپت لگانے کے بعد اُن صاحب نے پانی منگوایا تھا۔

اگلے دن ہم نے سوچا کہ شہر کی سیر کرنی چاہیے اور وہ بھی کراچی کی بس میں، اپنے عزیز دوست سے کراچی کی بسوں کی بے حد تعریف سن رکھی تھی، اب ہمیں کیا پتا تھا کہ تعریف کی ایک قسم طنزیہ تعریف بھی ہوتی ہے، خیر سٹاپ پر پہنچے، کچھ ہی دیر بعد کوئی عجیب سی چیز آتی نظر آئی، اب ہم کیا تفصیل لکھیں۔ اس کو بس ''بس'' ہی سمجھ لیں، آگے جلی حروف میں لکھا تھا، F-16، امریکہ کے سائنس دان دیکھ لیتے تو سر پیٹتے رہ جائے، بس نما چیز جب رکی تو سمجھ میں نہ آیا، کس دروازے سے چڑھیں، گیٹ نمبر 3 میں رش کچھ کم تھا، لہٰذا وہیں لٹک گئے (کھڑکیاں دروازے کا ہی منظر پیش کر رہی تھیں) کافی دیر بعد ہمیں گھسنے کا موقع ملا اندر ''ہائیں'' چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ہمارا منہ کھل گیا، لیکن پھر جلد ہی منہ بند کرنا پڑا، ورنہ اوپر سے گزرتے کوے کی بیٹ ہمارے منہ، چھوڑیں جی کچھ نہیں، بس رومال نکال کر چہرہ صاف کر لیا۔ بس چل کم رہی تھی اور پھدک زیادہ رہی تھی، بریک لگنے پر سب لوگ آگے کو دوڑ پڑتے اور ایک دوسرے سے گلے مل کے واپس جگہ پر کھڑے ہو جاتے، ہمیں چونکہ عادت نہیں تھی، لہٰذا گلے ملنے کی بجائے سر ملا آتے اور کڑوی کسیلی سنتے، ایک مرتبہ تو حد ہی ہو گئی، ہم اچانک دوڑ تو پڑے، لیکن ہمارا کرتا ساتھ دینے کے لیے ابھی تیار نہ تھا، بس اس نے چرررر کی آواز کے ساتھ انکار کر دیا اور ہم کرتے سے شرٹ میں منتقل ہو گئے۔

کچھ ایسی ہی حالت میں ہمارا سفر ختم ہوا، بس سے اتر کر جی کافی ہلکا محسوس ہوا، جب کچھ زیادہ ہی ہلکا محسوس ہوا تو، غور کرنے پر انکشاف ہوا کہ جی نہیں اصل میں جیب ہلکی ہو چکی تھی۔

پنکی کے ابو

حافظ عبدالجبار سیال۔ لاہور

اپنے دوست مسٹر کلیم کے ساتھ ہماری پہلی ملاقات ایک بس میں ہوئی تھی۔ جب ہم دونوں ایک دوست کی شادی پر جا رہے تھے۔ مسٹر کلیم اس دعوت پر شوٹڈ بوٹڈ ہو کر آئے تھے۔ ساتھ میں ان کے دو بچے بھی تھے۔ گیارہ سالہ بیٹا نعمان جسے مسٹر کلیم صاحب نومی کہتے ہیں اور چار سالہ بیٹی پروین جسے مسٹر کلیم پنکی کہتے ہیں۔ جب شادی ہال پہنچے تو ابھی کھانا لگنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ مسٹر کلیم دور بیٹھے ٹیبل پر کھڑے ہو کر کھانا کھانے کو تہذیب ثابت کرنے کے لیے دلائل کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ہم ابھی یہ سوچ رہے تھے کہ کوئی خالی کرسی نظر آئے اور ہم بھی قریب جا کر مسٹر کلیم کے دلائل سے فائدہ اٹھائیں کہ اچانک کھانا شروع ہونے کا اعلان ہو گیا۔ مسٹر کلیم اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ جا وہ جا۔ اس دھکم پیل اور ہڑ بڑی میں ہمیں تو کھانے کے قریب جانے کا موقع بھی نہیں ملا۔ جب تھوڑے بادل چھٹے تو ہم نے جا کر پراتوں کا جائزہ لیا۔ مرغ اپنی ٹانگوں اور گردن سمیت غائب تھے۔ ہم نے شوربے ہی کو غنیمت سمجھا۔ ایک پلیٹ میں سالن ڈال کر اپنی کرسی پر آ بیٹھے۔

جب بارات سے واپسی ہونے لگی تو ہم نے اپنے دوست مسٹر کلیم کو بہت تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہ آئے۔ بعد میں ان کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ رکشے پر بیٹھ کر گھر چلے گئے ہیں۔ مسٹر کلیم کو رکشے کا خرچ اس لیے برداشت کرنا پڑا کہ کسی باراتی نے کھانے کے دوران بھری پلیٹ ان کے ساتھ ٹکرا دی اور کوئی پروا کیے بغیر "سوری" کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ درحقیقت کھانا ختم ہونے کے ڈر سے اس بے چارے کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ مسٹر کلیم کے کپڑوں کا جائزہ لیتا۔ یہ تو اچھا ہوا مسٹر کلیم کی جیب میں ٹشو پیپر موجود تھا۔ اس سے انھوں نے اپنی شرٹ صاف کرنے کا کام لیا۔

کچھ دنوں کے بعد ہماری ملاقات مسٹر کلیم صاحب سے ہوئی تو ہم نے پوچھ ہی لیا: "جناب والا! شادی کی دعوت کیسی رہی۔"

مسٹر کلیم نے گردن گھما کر دونوں طرف دیکھا اور کہا:

"ماشاء اللہ بہت اچھی! لیکن ملا جی! ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نومی اور پنکی کی شادی میں کھانا دسترخوان لگا کر کھلائیں گے۔ بندہ ذرا ایزی ہو کر کھاتا ہے۔"

ہم نے اپنے دوست کی بات سے مکمل اتفاق کیا اور خوشی کا اظہار کیا۔ بعض اوقات انسان کو کوئی بات دلائل سے اتنی سمجھ نہیں آتی جتنی اس کے ساتھ گزرے ہوئے کسی واقعے سے سمجھ آتی ہے۔ ہم دونوں دوست گپ شپ کرنے کے لیے بینچ پر براجمان ہو چکے تھے۔ بیٹھتے ہی مسٹر کلیم صاحب نے ایک فائل ہماری طرف بڑھائی۔ ہم نے دیکھا۔ اس فائل میں کئی تصویری گروپ تھے اور ہر گروپ میں مسٹر کلیم صاحب کی تصویر بھی موجود تھی۔ ہم نے نہ سمجھنے والے انداز میں فائل انھیں واپس دی تو وہ بولے:

"ملا جی! یہ مختلف مذاہب کے لوگ ہیں۔ کوئی یہودی ہے کوئی عیسائی ہے کوئی ہندو ہے کوئی بدھ مذہب ہے۔ اصل میں ہمیں ان سب کو ساتھ لے کر چلنا ہے نا! دیکھیے! تمام دین برابر ہیں۔ کامیابی اور ناکامی کا معیار صرف اور صرف "ڈسپلن" یعنی نظم و ضبط ہے۔ جس قوم میں جتنا ڈسپلن ہوگا، وہ قوم اتنی ہی کامیاب ہوگی۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا یہودی اور عیسائی ہو یا کسی اور مذہب سے اس کا تعلق ہو اور پھر غیر قوموں کے جو اصول و قوانین ہیں، ان کو تو آپ مانتے ہوں گے اور کیسے معترف نہیں ہوں گے۔ یہ وہ قوم ہے اگر آپ ان کے کسی بینک میں ایک روپیہ بھی رکھوائیں تو وہ آپ کی امانت ہوگی جب چاہے واپس لے سکتے ہیں۔ مجال ہے، وہ کہیں ضائع ہو جائے گا۔ گاڑی میں سوار ہونا ہو تو لائن لگا کر سوار ہوتے ہیں۔ ان کی سڑکیں صاف ستھری شیشے کی طرح ہوتی ہیں۔ ہماری طرح جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر نہیں ہوتے۔ انسانیت کی قدر تو کوئی ان سے سیکھے۔ ان کے پاس کوئی مریض چلا جائے تو ڈاکٹر اس کے لیے بچھا جا رہا ہوتا ہے، اگر کوئی مجرم کسی شہری کو تھپڑ بھی مارے تو منٹوں سے پہلے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔"

ہمیں یقین ہو گیا کہ مسٹر کلیم کے لیکچر کو بریک نہ لگائی گئی تو یہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے گا، تب ہم دوست کی بات کاٹتے ہوئے درمیان میں ہی بول پڑے:

"مسٹر کلیم صاحب! انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس قوم کے دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں۔ اس سے تو ہمیں یاد آیا کہ ایک شخص ایک آنکھ سے کانا تھا۔ وہ بازار سے گزر رہا تھا۔ کھلی ہوئی آنکھ سے وہ ایک طرف دیکھنے لگا۔ اس کو بازار کی دکانیں کھلی نظر آئیں۔ کچھ دیر میں جب وہ واپس آیا تو اب کھلی ہوئی آنکھ دوسری طرف تھی۔ کہنے لگا: "یہ لوگ بڑے تیز ہیں۔ ابھی میں آیا تھا تو اس طرف والی دکانیں کھلی تھیں اور اب آیا ہوں تو دوسری طرف والی دکانیں کھلی ہیں اور اس طرف والی بند ہیں۔" جب تک ہم دونوں آنکھیں کھلی نہیں رکھیں گے، حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ بلاشبہ جس ڈسپلن کا ذکر آپ نے کیا ہے، اس لحاظ سے وہ قوم ہم سے کچھ آگے ہی ہے اور اس وقت جو ظاہری شان و شوکت اور کامیابیاں انھیں ملی ہوئی ہیں، وہ بھی اسی وجہ سے ہیں، لیکن ان کے دوسرے پہلو کی طرف بھی خدارا ذرا نظر کیجیے۔ ذرا سوچیے! وہ قرآن مجید جسے ہم اپنے سینے سے لگاتے ہیں، بغیر وضو اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ اسے پاؤں میں روندنے والے کون ہیں۔ اس مقدس کلام کو فلش میں پھینکنے کی جسارت کس نے کی۔ وہ کون ہیں جس نے اسے نذر آتش کر کے مسلمانوں کے دلوں کو شدید غم زدہ کر دیا۔ ہمارے نبی اور محسنِ انسانیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے گستاخی کرنے والوں کے چہروں کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر انسانوں کو زندہ جلانے والے اور ان کی آنے والی نسلوں کو اپاہج کرنے والوں کو بھی دنیا جانتی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے زندہ انسانوں کے گلے میں پٹہ ڈال کر ان کو بھوکے کتوں کے حوالے کر دیا اور جیلوں میں بند انسانوں پر وہ انسانیت سوز سلوک کیا کہ انسانیت شرما کر رہ جائے۔ یہ وہی ہیں جو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو اور ملالہ پر حملے کے بعد آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں، لیکن برما میں 45 ہزار مسلمان شہید کر دیے گئے جن میں سے 4 ہزار زندہ جلائے گئے۔ 5 ہزار خواتین زیادتی کا شکار ہو گئیں۔ 10 ہزار سے زاید مسلمان زندہ غائب کر دیے گئے۔ 25 ہزار سے زاید مسلمانوں کے گھر جلا دیے گئے اور 2 لاکھ کے لگ بھگ مسلمان بے گھر ہو گئے۔ ان کے بچوں کو ان سے چھین چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا۔ ان کی ایک ایک جھونپڑی تک جلا دی گئی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مغربی قوم نے اس کی مذمت تک نہیں کی۔"

"بس کریں! بس کریں! ملا جی چھوڑیں۔ یہ سب تو میدانِ جنگ کی باتیں ہیں۔ جنگ میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ عام لوگوں کی بات کریں۔" انھوں نے فوراً کہا۔

مسٹر کلیم صاحب! والدین بوڑھے ہو جائیں تو انھیں اولڈ ہاؤس چھوڑ آنا کون سا ڈسپلن ہے۔ ہمارا اسلام تو یہ کہتا ہے، اولاد والدین کے سامنے اُف بھی نہیں کہہ سکتی اور اُدھر تو والدین بے چارے اولاد کے سامنے اُف نہیں کرتے۔ اگر کر بھی لیں تو ایک کال پر جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا ہوتا ہے۔ جہاں بہن بھائی، والدین، خاوند بیوی کے خوب صورت رشتے خواب و خیال بن گئے ہیں۔

بات ابھی نامکمل ہی تھی کہ قریب سے ایک کار چھینٹیں اُڑاتی ہوئی گزری۔ "دیکھا دیکھا! کوئی ملا ہی ہوگا۔" مسٹر کلیم غصے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں کار والے نے شیشے سے سر نکال کر ہمیں ہاتھ ہلایا۔ مسٹر کلیم نے اسے غور سے دیکھا اور چونک کر بولے:

"اوہ! یہ تو ہمارے دوست مسٹر ندیم ہیں۔" اور ان کی نظریں نیچے جھک گئیں۔

آمنے سامنے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

سلام کے بعد عرض ہے کہ ہم تو خیریت سے ہیں اور آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ پہلا خط پچھلے سالنامے میں بھیجا الحمدللہ شائع ہوا۔ یہ دوسرا خط ہے پسند آیا تو شائع ہونے کا شرف بخشیں، ورنہ آپ کا پڑھ لینا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اس لیے قارئین کو مشورہ ہے کہ سال کے سال خط لکھا کریں۔ ردی کی بالٹی سے بچ جائیں گے۔ ہے نہ کام کا مشورہ؟

اب شمارہ 50 صفحات کا تھا تو ہم مختصر تبصرہ کیسے کریں؟ آپ نے تو مشکل میں ڈال دیا۔

میں اللہ ہوں، یہ الفاظ پڑھ کر دل کو تسکین ملی۔

دو باتیں: دو باتوں میں آپ سو باتیں نہ کرلیں تو آپ کا جی کہاں بھرتا ہے؟ کہتے ہیں لکھی نہیں جاتیں اور سب کچھ لکھ بھی دیا ہے۔

آنسوؤں کے سائے تلے: ضیاء اللہ محسن صاحب نے پردیسیوں کا حال بھی کیا خوب سنایا۔

ایک بوڑھے کی ڈائری: واقعی دل ہلا دیا اس تحریر نے۔

ادھار پھانسی: ان کا شکریہ ہم ادھار نہیں رکھتے، بہت خوب لکھا، ویسے جھنگ کے لوگ لکھتے ہی کمال کا ہیں۔

ماضی کا ایک ورق: اس شمارے کی دوسرے نمبر پر آنے والی تحریر! بے اختیار آنسو گر پڑے۔ جذبات کو ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

ٹافیاں: ٹافیوں کی طرح ایک میٹھی تسکین پہنچائی امیمہ نے۔

یہ بیٹیاں: اب کوئی نہ سمجھے تو نہ سمجھے بیٹیاں تو عظیم رشتہ ہے۔ بھرپور داد کے قابل تحریر تھی۔

پانی کا بلبلہ: ویسے آصف مجید صاحب اتنے سنجیدہ تو نہ تھے۔ بہرحال کمال کر دیا انھوں نے بھی!

قانون علاج بالغذاء کے عین مطابق

رکھے بیماریوں سے محفوظ

محافظ®

HERBAL PHARMA PAKISTAN

ایک مکمل دماغی اور جسمانی ٹانک

کا خالص قدرتی اجزاء سے تیار کردہ خصوصی ٹانک

محافظ جان

بچوں بڑوں اور بوڑھوں کیلئے یکساں مفید

محافظ جان میں شامل اجزاء دل و دماغ معدہ اور جگر کی خصوصی نگہداشت کرتے ہیں

① محافظ جان حافظہ اور نظر کو تیز کرتا ہے
① آنکھوں کے اردگرد سیاہ حلقے دور کرتا ہے
① پچکے گال اور بے رونق چہرے کو دلکش اور بارونق بناتا ہے
مسلسل استعمال سے جوڑوں کے درد کیلئے بے مثال۔۔۔۔
خواتین کی خوبصورتی کیلئے لاجواب

اگر آپ کسی بیماری کے باعث کمزوری محسوس کرتے ہیں

تو محافظ جان کا استعمال آپکی اندرونی خرابیوں کو دور کر کے آپ کو صحت مند توانا جاذب نظر اور خوبصورت بناتا ہے۔ وہ بھی بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ

چھوٹا ڈبہ 200 گرام 650/-

بڑا ڈبہ 400 گرام 1200/-

● سیف دواخانہ لیاقت مارکیٹ ملتان ● جمال الدین خان ٹی اکو اتفاق ادویات لورالائی بلوچستان
● سٹینڈرڈ یونانی دواخانہ چوک گھنٹہ گھر پشاور
● خالد دواخانہ صرافہ بازار ایبٹ آباد ● قدیمی چنیوٹی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا
● نیا دواخانہ اسماعیل مارکیٹ شہید روڈ جھنگ ● خان کلینک چنی گوٹھ روڈ علی پور
● محمد نوید ماشاء اللہ جنرل سٹور گلی جامع مسجد اللہ داد والی جہانیاں

فری ہوم ڈیلیوری کیلئے ملک بھر سے ابھی فون کیجئے اور رقم کی ادائیگی پارسل ملنے پر کیجئے

Cell:0308-7520370 - 0334-7629969

قیومی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی 051-5505519

سوچ کا سمندر: خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ بہت ہی عجیب کیفیت ہوئی پڑھ کر۔ دل رونے اور چلانے کو کر رہا تھا۔ بے شک سالنامے کی اول آنے والی تحریر ٹھہری۔ آخر لکھی جو آپ نے ہے۔

کس کا تحفہ: سچ پوچھیں تو میرا بھی دل کرتا ہے یہ کام کرنے کو۔ مزے دار تحریر تھی۔

آخری وار: شمارے کی تیسرے نمبر پر آنے والی تحریر۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ جھنگ والے کیوں پوزیشنز کے حق دار ٹھہرے؟

گزر گیا ایک سال اور قدم بہ قدم! اب قارئین خود ہی اندازہ کرلیں کہ اپنے اشتیاق احمد سے بھی کوئی سنچری میں آگے نکل سکتا ہے؟ پھر سنچری بھی انھی کا مقدر ٹھہری اور باقی یہ ضیاء اللہ محسن صاحب کان کھول کر سن لیں کہ خواتین کی کمی گنوانے کی ضرورت نہیں ورنہ پھر! بس ہے تو پھر بھی سالانہ رپورٹ قابل تعریف۔

واقعات صحابہ کے: یہ تو ہیں ہی روشن ستارے۔ شمارے میں جگمگ جگمگ کرتے ہیں۔

چند یادیں: زبردست تھی لیکن اگلی دفعہ سرور مجذوب کے حصے کی شیشی لینا مت بھولیے گا۔

معاشرے کے تیر: چوتھے نمبر پر آنے والی تحریر! بہت ہی خوب معاشرے کے تیروں کی عکاسی کی۔

نیوز چینل: کفن دفن میں جو اخراجات ہوئے، وہ ہماری طرف سے۔ آپ بس یہ تیاریاں جلدی مکمل کرلیں۔ ہم بھی پہلے اسامہ بھائی کے ہم خیال تھے۔ پتا نہیں سالنامے کی خوشی میں آپ پر ترس آ گیا۔ آپ نیوز چینل کے بہترین نیوز کاسٹر ہونے کا ایوارڈ حاصل کرنے کے لائق ہیں۔

آمنے سامنے: ویسے آمنے سامنے بیٹھ کر آپ سے جوابات لینے کا الگ ہی مزہ ہے، لیکن ہمارے لیے تو یہ بھی غنیمت ہے۔

اشتہارات: زندہ باد! پائندہ باد!

مبارک باد: سالنامے کی اشاعت پر مدیر سمیت تمام ٹیم کو اور قارئین کو خصوصی مبارک باد۔ (کنول فردوس بنت محمد فیاض۔ راولپنڈی)

O

میں یہ تبصرہ انعام پانے کے لیے نہیں لکھ رہی۔ اللہ کے بھروسے پر لکھ رہی ہوں کہ اگر یہ شائع ہو جائے تو کسی کو اسے پڑھ کر فائدہ حاصل ہو۔ میں نے سالنامے میں قرآن کریم کی آیت اور حدیث کا ترجمہ پڑھا اور دو باتیں پڑھیں۔ آپ نے دسویں سالنامے کی دو باتیں میں بھی لوڈشیڈنگ کا ذکر کیا اور اس بار بھی۔ اثر جون پوری کے لیے اللہ تعالیٰ سے شفائے کاملہ کی دعا کی۔ میری امی جان کو کہانی "ماموں" بہت پسند آئی اور مجھے کہانی "آنسوؤں کے سائے تلے" بہت پسند آئی۔ ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی ہاشمی صاحب کی کہانی کی تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ (مریم عبدالکریم۔ لاہور)

O

آج بروز اتوار یکم ستمبر 2013ء 24 شوال 1434ھ ہجری بچوں کا اسلام سالنامہ شمارہ نمبر 584 مکمل اول تا آخر پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بچوں کا اسلام کو گیارہ سال مکمل ہونے پر تمام مسلمان بچوں، بچیوں، بڑوں، آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو مبارک ہو، یہ کوئی عام رسالہ نہیں ہے، اس کی عظمت ان بچوں، بڑوں سے پوچھو جنھوں نے اپنی زندگیاں آخرت کے لیے وقف کر دی ہیں۔ اس سے پہلے ان کی زندگیاں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں نے بڑے بڑے علماء کو محبت کے ساتھ اس رسالے کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور دعائیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مدیر صاحب اور ادارے کے تمام ساتھیوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس رسالے میں وہ تحریریں لگائی جائیں جو کہ قرآن و حدیث کا درس دیں۔ جنھیں پڑھ کر معاشرے کے تمام افراد چاہے بچے ہوں یا بڑے باکردار اور باصلاحیت انسان بن سکیں۔

اور عالم اسلام کی خدمت کرسکیں۔ (حکیم قاری محمد صادق۔ خان پور بگا شیر)

O

اس بار تو سالنامہ کمال کا تھا۔ سب سے پہلی تبدیلی تو ہم نے سرورق پر پائی، یعنی کہ

پہلے تو صرف کاریں ہوتی تھیں اور اب آپ نے بس بھی لے لی۔ سالنامہ دیر سے آیا، لیکن بہترین تھا، یعنی کہ ''دیر آید درست آید'' راحیل محمد خان تال پور کی کہانی ''بے بسی'' نے بہت بڑا سبق دیا۔ واقعی کسی کی بے بسی پر ہنسنا نہیں چاہیے۔ سرور مجذوب کی کہانی ''ماموں'' پڑھ کر کچھ شک تو ہوا لیکن خیر جانے دیں۔ آپ تو اس سوال کا جواب گول مول کر کے ہی دیں گے۔ ضیاء اللہ محسن کی کہانی ''آنسوؤں کے سائے تلے'' پڑھ کر تو یقین نہیں آ رہا تھا۔ واقعی خدا کی قدرت عجیب ہے۔ محمد اسلم بیگ صاحب کا امتحان بڑا اچھا تھا۔ افسوس ہم کوئی سوال نہیں کر سکے۔ بہر حال انسپکٹر جمشید کو ماننا پڑے گا۔ ''ٹھوکر'' نے ایک اچھا سبق دیا۔ ''ایک بوڑھے شخص کی ڈائری'' نے تو ہمیں غمگین کر دیا۔ زیادہ رعب دکھانے سے رشتے ٹوٹتے ہیں۔ ''خوشی کے آنسو'' ایک زبردست تحریر تھی۔ اس تحریر نے جدید دور کے ایک منفی پہلو کی طرف توجہ دلائی۔ ''ادھار پھانسی'' لکھ کر آصف محمود نے تو میدان مار لیا۔ ہماری طرف سے انھیں مبارک باد۔ جادو کے اثرات سے بچنے کے لیے محمد نے اچھی تحریر لکھی۔ ''ماضی کا ایک ورق'' پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ واقعی والدین اپنی اولاد سے بہت محبت کرتے ہیں۔ کچھ خوش قسمت ہی اس کو سمجھ پاتے ہیں۔ ''نافیاں'' اچھی تحریر تھی۔ ''ریڈیم کی دریافت'' ''بیٹیاں'' ''پانی کا بلبلہ'' اور ''سوچ کا سمندر'' ٹھیک ہی تھیں۔ ''کس کا تحفہ'' لکھ کر فوزیہ خلیل نے ایک مرتبہ پھر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ اثر جون پوری نے زبردست نظم لکھی، لیکن اس میں آم کا ذکر نہ کر کے حیرت میں ڈال دیا۔ ''آخری وار'' نے ایک نئی ہمت پیدا کی اور نیا ولولہ جگایا۔ ''نیلا قالین'' اچھی کاوش تھی۔ (امیر علی خان۔ چپلاں)

O

سالنامہ ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے اور ہم اس پر ایک صفحے کا تبصرہ بھی کرنے لگے ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی آپ ایک صفحے کے کسی بھی خط کو انعام کا حق دار نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک صفحہ سے زاید والے تبصرے اول، دوم، سوم انعام حاصل کر لیں گے۔ اس کے بعد آپ دو باتیں میں تبصرہ (زاید صفحوں والا) چھاپ کر لکھیں گے: ''میں اپنے آپ کو اس خط کو اول انعام قرار دینے سے روک نہیں پایا'' ارے یہ کیا میں آپ سے گلے شکوے کرنے بیٹھ گیا۔ جو کام ابھی آپ نے کیا نہیں ہے، اس ہی پر آپ کو الزام دے رہا ہوں۔ آخر آپ مدیر ہیں اور مجھے آپ سے شکوے کے بجائے سالنامہ پر تبصرہ کرنا چاہیے۔ اوہ! مگر یہ کیا صفحے کا پیٹ تو آپ سے شکوے کرتے ہوئے ہی بھر گیا۔ میں کسی بھی کہانی کو سب سے بہتر نہیں منتخب کر سکا۔ کیوں کہ بالترتیب، محمد، مجذوب، محسن، بیگ، سارہ، فرقان، یاسمین، محمود، محمد، سعدیہ، فاروق، اشرف، مجید، احمد، پاشا، فوزیہ، انصاری، نادیہ، نفیسہ، جبیں، نور، عبدالرزاق اور ف سمیت تمام کی کہانیاں زبردست تھیں مگر ''سیال'' کی کہانی بچوں کا اسلام کے موافق نہیں لگی، کیوں کہ 16 سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے نہیں تھی۔ اہم خطوط واقعی اہم تھے۔ بیگ صاحب کا فرضی انٹرویو خوب تھا اور مجھے یہ بھی کہنا تھا کہ پچھلے سالنامہ میں ''تیری یاد'' اور اس سالنامہ میں ''ریڈیم کی دریافت'' کے ذریعے سائنسی مضامین کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور سب سے اہم بات یہ بتانی تھی کہ تاریخ نے خود کو دہرایا ہے مگر پوری طرح نہیں، کیوں کہ گزشتہ دونوں سالناموں میں آپ بیمار نہیں ہوئے، یعنی تاریخ نے آپ کو بیمار نہ کر کے خود کو دہرایا اور آپ دو باتیں سعودی عمرہ میں نہ رکھ سکے۔ (حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور)

O

سالنامہ اُس وقت ملا جب ہم سالنامے کی آمد سے مایوس ہو چکے تھے، لیکن دیر آید درست آید۔ ویسے اسے سالنامہ کی بجائے ابا نامہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ کم از کم چار کہانیاں تو ابو کے حوالے سے تھیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر کہانیاں پڑھ کر اولاد اپنے والد سے تعلقات ٹھیک کر لے تو اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ خیر کہانیاں اپنی اپنی جگہ پر سب اچھی تھیں، لیکن ہمیں تو کہانیوں سے زیادہ لطیفے پسند آئے۔ سب بہت زبردست تھے۔ ہم دیر تک ہنسا کیے۔ بھئی سالنامہ پڑھ کر ہماری تو غیرت کے دریا میں سخت طغیانی آ گئی۔ ٹھیک ایک سال پہلے سالنامے میں ہی ہماری آخری کہانی چھپی تھی، پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ گھر والوں نے بھی ٹھیک ٹھاک خبر لی۔ ہم نے بھی کمر کس لی ہے۔ (اسماء طاہر۔ اسلام آباد)

O

سالنامے کا شدت سے انتظار تھا۔ بہر حال سالنامہ ملا۔ پڑھ کر اَن جانی سی خوشی محسوس کی۔ گزشتہ سالنامے کی طرح یہ سالنامہ بھی بہت شان دار تھا۔ تعریف کی جائے تو ہر کہانی ہی منفرد تھی، اگر تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا جائے تو سالنامے میں دو سے تین عدد کہانیاں والد صاحب کے متعلق ہی تھیں۔ موضوع کے علاوہ کہانیوں میں یکسانیت تھی۔ ان تین کہانیوں میں ''ایک بوڑھے شخص کی کہانی''، ''ماضی کا ایک ورق'' اور ''سوچ کا سمندر'' شامل تھیں۔ ''پانی کا بلبلہ''، ''آخری وار'' اور ''امتحان'' زبردست لگیں۔ ''ایک اہم خط'' کے عنوان سے جو دو خطوط شائع ہوئے، وہ سمجھ میں نہ آ سکے۔ ناول کی آخری قسط پڑھ کر مسرت ہوئی۔ سالنامے میں اشتہارات کی تعداد ''تیرہ'' تھی۔ اس دفعہ اشتہارات پہلے کی نسبت کم لگے۔ اثر جون پوری کی نظم ہکلاتے ہوئے پڑھی۔ باقی مستقل سلسلے بھی اپنی جگہ بہت زبردست تھے۔ ''جادو کے اثرات''، ''بیٹیاں'' اور ''ریڈیم کی دریافت'' بھی معلوماتی سلسلے تھے۔ ''مسکراہٹ کے پھول'' میں سب لطائف پرانے تھے۔ مختصراً یہ کہ سالنامہ ہر لحاظ سے بہتر لگا۔ آپ کی محنت بھی نظر آ رہی تھی۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

(روبینہ قدیر۔ کراچی)

مسکراہٹ کے پھول

☆ استاد: انسان محنت کرے تو جو چاہے بن سکتا ہے۔
شاگرد: لیکن سر! میرے ابو کہتے ہیں، تم لاکھ کوشش کر لو، وہ نہیں بن سکتے جو بننا چاہتے ہو۔
استاد: تم کیا بننا چاہتے ہو۔
شاگرد: جی الیڈی ڈاکٹر!

☆ ایک ادیب: اس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔
دوسرا ادیب: کیوں کیا ہوا؟
پہلا ادیب: غضب خدا کا میں نے مضامین چوری کرنے والوں کے خلاف مضمون چھپوایا، کسی نے وہی مضمون چرا کر اپنے نام سے ایک اور رسالے میں شائع کروالیا۔
(خنسا منور دین۔ فیصل آباد)

☆ گاہک: (دکان دار سے) جناب کل جو آپ نے مرغی دی تھی، وہ گھر جاتے ہی مر گئی۔
دکان دار: حیرت ہے، اس نے ایسی حرکت دکان پر تو نہیں کی۔
(خولہ بنت فوز الحق۔ ناظم آباد کراچی)

☆ بیوی: میں تمہاری زندگی کی کتاب ہوں۔
شوہر: کاش تم میری زندگی کا کیلنڈر ہوتیں۔

☆ شوہر: آخر تم میری امی جیسی روٹیاں کیوں نہیں پکاتیں۔
بیوی: اس لیے کہ تم ویسا آٹا نہیں گوندھتے جیسا تمہارے ابا گوندھتے تھے۔

☆ ایک نشہ کرنے والا چلتے چلتے اچانک رک گیا اور اپنا لنچ بکس کھول کر دیکھنے لگا۔ ایک راہگیر نے اس سے پوچھا:
''کیا ہوا؟''
جواب ملا: ''دیکھ رہا ہوں، میں دفتر جا رہا ہوں یا دفتر سے آ رہا ہوں۔ (مقصود الٰہی۔ سوکڑ)

☆ ایک سردار نے یونیورسٹی میں اول پوزیشن لی۔ اخباری نمایندے نے اس سے پوچھا، آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے، سردار جی نے فوراً کہا:
''بچپن سے ایک ہی خواب دیکھا ہے، پھلوں کی ریڑھی لگانے کا۔
(محمد عمار شاہد پاکستانی۔ ہارون آباد)

☆ بیوی: کیوں نہ ہم اپنی شادی کی سالگرہ پر ایک بکرا ذبح کریں۔
خاوند: غلطی تو میں نے کی اور سزا بکرے کو دوں؟ (آمنہ لیاقت علی۔ کمالیہ)

چمگادڑ

انجینئر آصف مجید۔ لاہور

''چمگادڑ ایک عجیب سا جانور ہے۔''

''ہائیں! جانور؟ چمگادڑ تو ایک پرندہ ہے۔'' ٹکٹو نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اوئے ٹکٹو تم رہے ناں وہی ٹکے کے ٹکے۔ بات تو سن لیا کرو پوری۔ تمہیں نہ تو بات سننے کا ادب ہے اور نہ ہی کرنے کا۔'' میں نے ٹکٹو کو قدرے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب! پہلے یہ فیصلہ کریں کہ چمگادڑ جانور ہے یا پرندہ۔ آپ کی بات کی ابتدا ہی غلط ہوگئی۔ پوری بات کیوں سنی جائے۔'' ٹکٹو نے حسب عادت ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی چمگادڑ ایک جانور ہے۔'' میں نے پھر بات شروع کرنا چاہی۔

''نہیں چمگادڑ پرندہ ہے۔ لگا لوں شرط۔''

''شرط لگانا حرام ہے۔ تم نے مجھ سے مقابلہ ہی کرنا ہے تو پھر مقدمہ لڑلو۔ چلو میرے وکیل محمد شاہد فاروق صاحب، تم اپنا کوئی وکیل کرلو۔ جاؤ شاباش جاؤ۔''

محترم قارئین ٹکٹو کو تو میں نے وکیل ڈھونڈنے بھیج دیا ہے۔ سچ بولنے والا وکیل اس کا مقدمہ لے گا نہیں اور جھوٹ بولنے والا فیس بہت زیادہ مانگے گا، جو یہ دے گا نہیں۔ اس طرح ہماری جان بچی رہے گی۔ ہاہاہا۔

اب آپ میری بات سنیں غور سے، ورنہ آپ بھی ہمارے ''فیض'' سے محروم رہ جائیں گے۔

چمگادڑ ایک جانور ہے، جی ہاں اڑنے والا جانور۔ پرندہ تو وہ ہوتا ہے جس کے ''پر'' ہوں۔ چاہے وہ اڑ نہ سکے۔ جیسے شتر مرغ، مرغی، بطخ وغیرہ۔ یہ پرندے تھوڑی بہت چھلانگ لگا سکتے ہیں باقاعدہ اڑتے نہیں اور ہیں پرندے۔ اگر ہر اڑنے والے کو پرندہ کہیں گے تو پھر جن کیا ہیں؟

چمگادڑ بچے دیتی ہے انڈے نہیں اور اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ انسان کی طرح اپنے بچوں کو گود میں لیتی ہے۔ اڑتے اڑتے بھی اپنے بچے کو دودھ پلا لیتی ہے اور انسان کی طرح ہنستی بھی ہے اور چوپایوں کی طرح پیشاب کرتی ہے۔ اس کے جسم پر پر نما باریک کھال پھیلی ہوتی ہے جس کی مدد سے یہ بہت تیز رفتاری کے ساتھ اڑ سکتی ہے۔

اس کی شکل گیدڑ جیسی ہوتی ہے۔ گادڑ گیدڑ کی بگڑی ہوئی اصطلاح ہے، اس لیے چمگادڑ کہلاتی ہے۔

عربی زبان میں چمگادڑ کو الخفاش کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں ''کمزور نگاہ'' اخفش عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر کمزور نگاہ والا ہو جسے رات کے وقت تو دکھائی دے مگر دن میں کچھ نظر نہ آئے یا جس دن بادل ہوں، اس دن دکھائی دے اور سورج کی روشنی میں کچھ نظر نہ آئے، چونکہ چمگادڑ میں بھی یہی اوصاف پائے جاتے ہیں، اس لیے اسے بھی خفاش کہتے ہیں۔

اس کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں اور اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لیے یہ دن بھر اپنے گھونسلے میں الٹی لٹکی رہتی ہیں۔

آپ کو اگر بڑی بڑی چمگادڑیں لٹکی ہوئی دیکھنی ہوں تو لاہور کے جناح باغ میں چلے جائیں۔ وہاں آپ کو بلند و بالا درختوں پر چمگادڑیں الٹی لٹکی نظر آئیں گی۔

جونہی سورج غروب ہوتا ہے، یہ حرکت میں آجاتی ہیں اور یہی وقت ان کی غذا کا ہے۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ مچھر بھی اس وقت اپنے رزق یعنی انسانی و حیوانی خون کی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ مچھر چمگادڑ کی خوراک ہیں۔

مچھر انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں تو چمگادڑ مچھر پر۔ بس پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

یہ مچھروں کی تلاش میں نیچی پرواز کرتی ہے۔ اسے نیچی پرواز کرتے دیکھ کر چھوٹے بڑے ڈر جاتے ہیں کہ کہیں کان پر نہ چمٹ جائے۔

کان پر چمٹ جانے کا خیال شاید اس لیے پیدا ہوگیا کہ مچھر رات کو ہمارے کان کے قریب گھوں گھوں کرتے ہیں اور چمگادڑ ان کی تلاش میں ہوتی ہے۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے چمگادڑ کا وجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے مردے زندہ کر دیتے تھے اور مٹی کا پرندہ بنا کر پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔ یہ چمگادڑ بھی اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس میں پھونک ماری تو اللہ کے حکم سے اس میں جان پڑ گئی۔ موجودہ چمگادڑ اسی کی نسل سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دوسرے جانور اور پرندے اس سے نفرت کرتے ہیں اور اسے مارنے کے درپے رہتے ہیں۔ جو پرندے گوشت خور ہیں، وہ اسے کھا جاتے ہیں۔

چمگادڑ کی قوت پرواز بہت زیادہ ہے۔ اڑتے ہوئے جس طرف جاتی ہے، تیزی سے مڑ جاتی ہے۔ اس کی غذا مچھر کے علاوہ مکھیاں اور بعض درختوں کے پھل ہیں جیسے بیر امرود۔ اس کی عمر بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چمگادڑ کی ایک خاص عادت یہ ہے کہ اگر اس کے بدن سے چنار کے درخت کا پتا یا شاخ مس کر جائے تو یہ سُن ہو جاتی ہے اور فوراً زمین پر گر جاتی ہے۔

محترم قارئین! اب آپ خود ہی بتائیں کہ ٹکٹو ہماری بات پوری نہ سن کر ہمارے فیض سے محروم رہ گیا یا نہیں؟